وَفَدَیْنَاہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ

اسد لکھنؤ

محرم نمبر

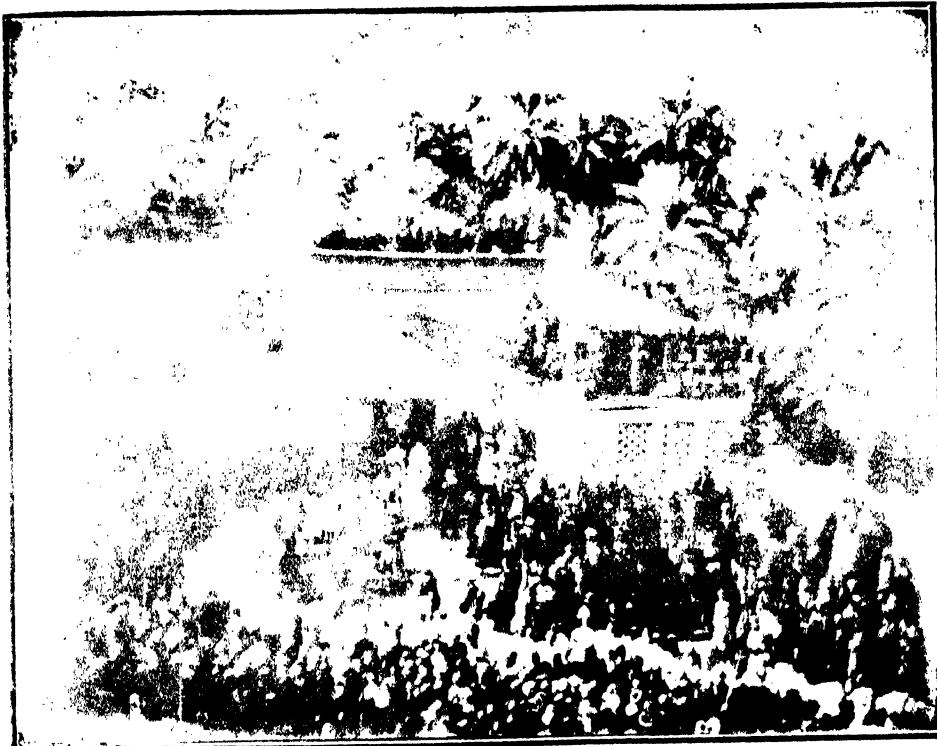
شیعوں کا واحد روزنامہ

معاون مدیر سید مصطفیٰ حسن نقوی

ایڈیٹر خواجہ اسد اللہ اسد

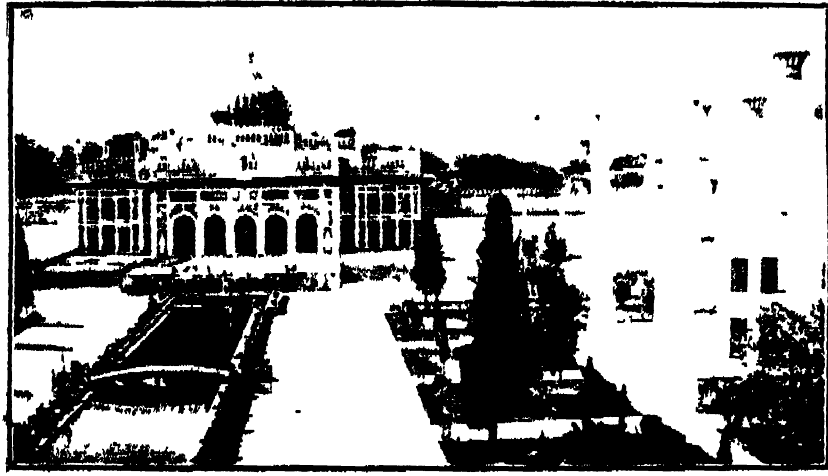
جلد ۵ | ۶ محرم الحرام سنہ ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۷ فروری سنہ ۱۹۳۹ء | نمبر ۳

وہ کون سی بستی اور ویرانہ ہے   جو ماتم شبیرؑ سے بیگانہ ہے
پہونچی نہیں تکبیر جہاں تک واں بھی   مظلوم حسینؑ کا عزاخانہ ہے
(اسد)

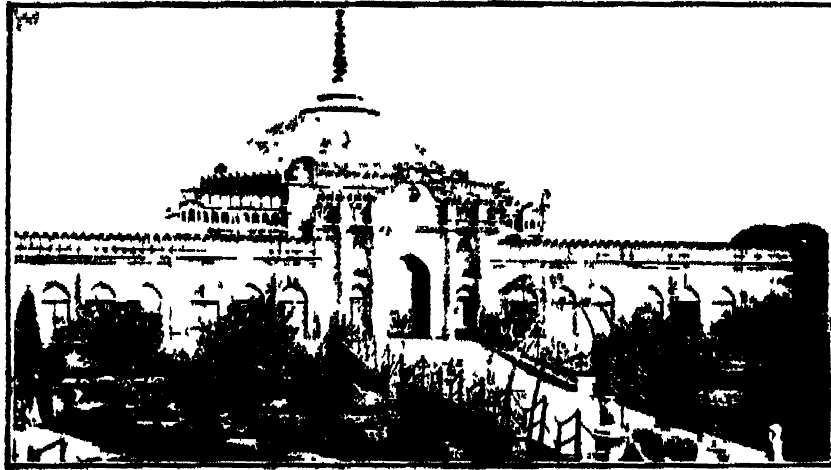


کربلائے معلیٰ میں روز عاشور کا ماتم

([illegible] نظامی پریس لکھنؤ میں چھپا)



امامباڑہ حسین آباد مبارک لکھنؤ



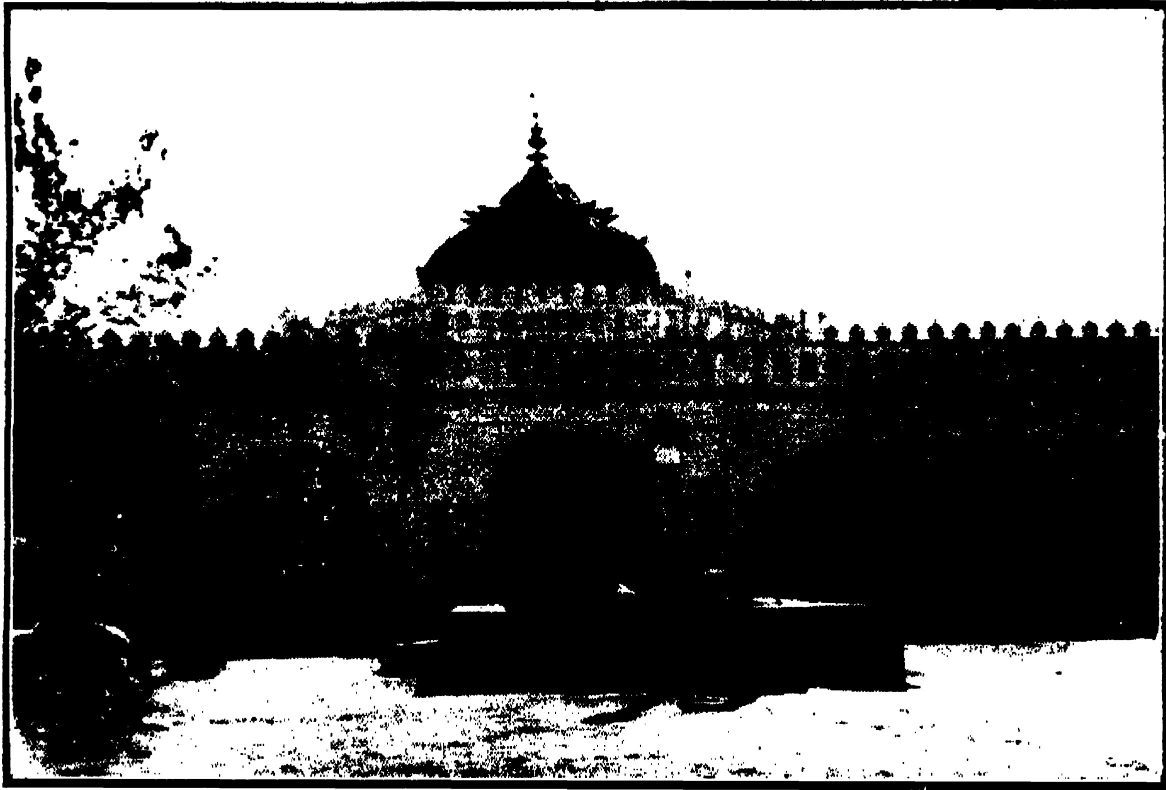
امامباڑہ شاہ نجف لکھنؤ



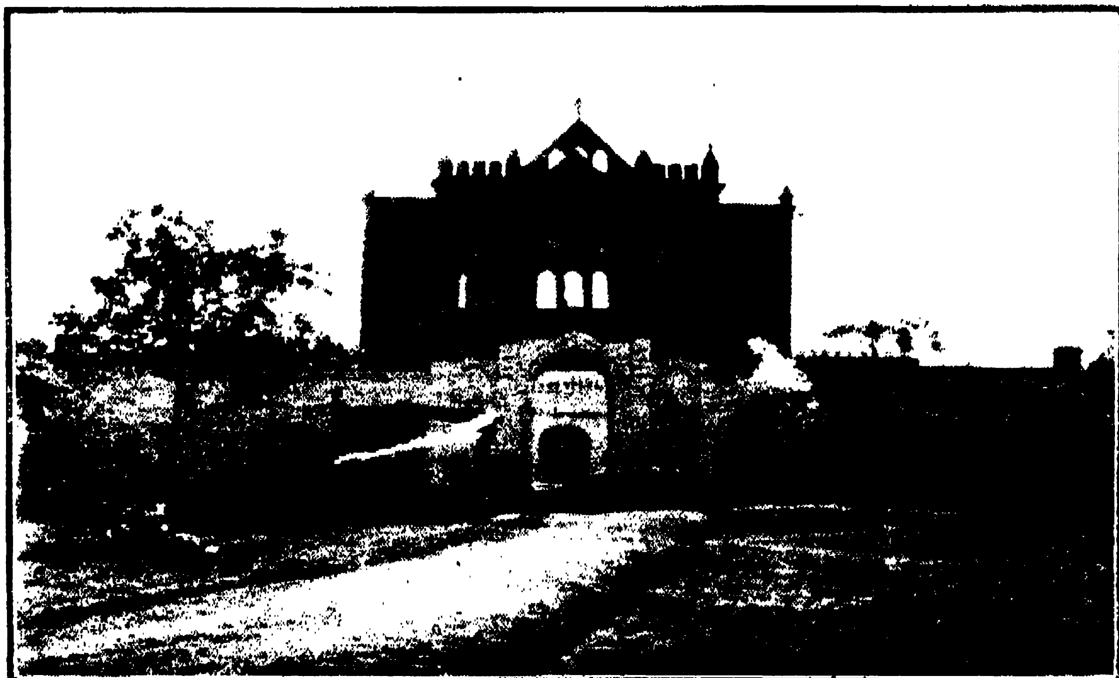
خلد آشیان نواب غازی الدین حیدر بانی
وقف شاہ نجف



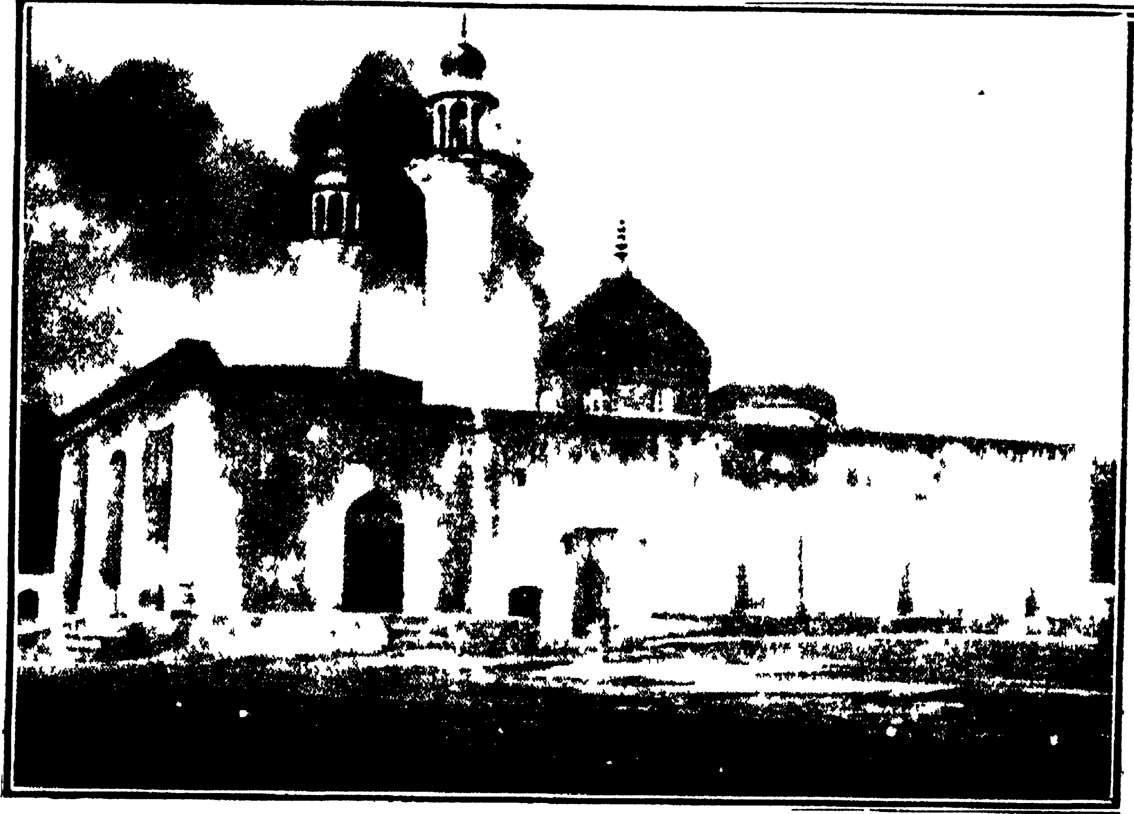
خلد آشیان نواب محمد علی شاہ بانی وقف
حسین آباد مبارک



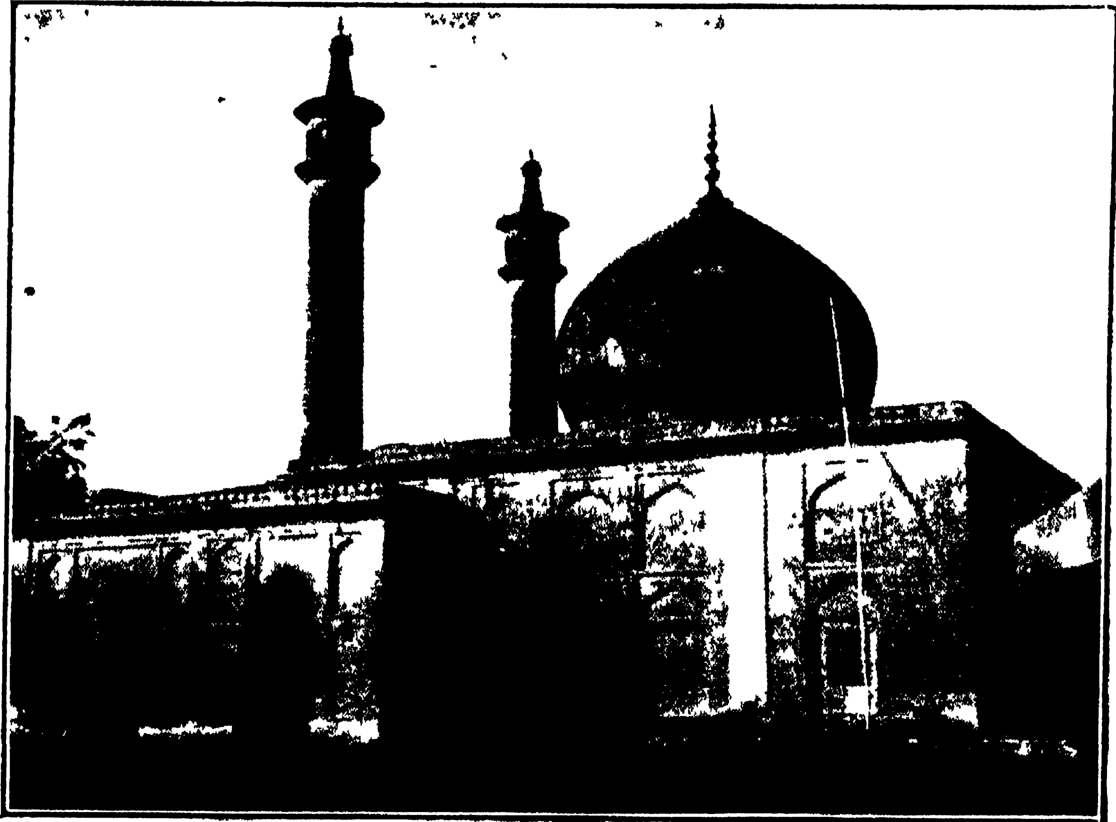
درگاہ حضرت عباس لکھنؤ (اندرونی منظر)



درگاہ حضرت عباس (بیرونی حصہ)



کربلائے تالکٹورہ لکھنؤ



کربلائے امین الدولہ بہادر لکھنؤ

خطبہ سرکار صدر المحققین جناب ناصر الملۃ مدظلہ

ذیل میں ہم روزنامہ اسد کے سرپرست سرکار صدر المحققین جناب ناصر الملۃ مدظلہ العالی کا وہ خطبہ مع ترجمہ درج کرتے ہیں جو ممدوح نے اس خاص محرم نمبر کے لیے ہماری درخواست پر بغرض اشاعت مرحمت فرمایا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی اعز اولیائہ الصابرین فی قاطبۃ العوالم والاکوان واکرم احبائہ الشاکرین فی جمیع الاعصار والازمان سبحانہ من خبیر اختبرھم بافاضۃ الآلام والغموم والکوارث والاشجان وما اعظم شانہ من بصیر امتحنھم باصابۃ المصائب والھموم والحوادث والاحزان وصلی اللہ علی سیدنا ابی القاسم محمد المبعوث بافضل الشرائع والادیان المرسل علی حین فترۃ من الرسل بالھدی والفرقان المؤید بآیات اقرت لھا الاحبار والرھبان المسدد ببینات سارت بھا القوافل والرکبان المعانی شدائد البلوی من زیغ اھل النفاق والشنان المقاسی عنائد اللداد من عند ذوی الشقاق والعدوان المتجلد علی اذی اصحاب البغی والطغیان المتصبر علی شدائد ارباب الفسق والادھان وعلی آلہ الطیبین الطاھرین المطھرین عن کل الادناس والادران وعترتہ الزاکین الزکیین النقیین بالاثواب والاردان وعلی اخیہ وصنوہ سیدنا ومولانا امیر المؤمنین لا سیما السبط الاصغر الذی بکت علیہ الانس والجان والملائکۃ والجنان والسدنۃ والخزان والحور والولدان ولعیا والرضوان وناحت علیہ الطیر والحیتان والوحوش فی الغیران والاشجار بالاغصان والمکونات بکل مکان البعید عن الاوطان النازح عن الاھلین والاخوان المظلوم ظلما قد ظھر واستبان المکلوم بالسیف والسنان المجروح بسھم کل حنیۃ مرنان الناھل من دمہ العوالی والمران المدفون بلا غسل ولا اکفان السلیب العریان الظامی اللھفان مولانا وسیدنا ابی عبد اللہ الحسین القتیل الظمآن الذبیح العطشان صلوۃ شافعۃ نافعۃ ترجح لنا المیزان ناجحۃ ناجعۃ یوم تکون السماء وردۃ کالدھان۔

بامحاورہ ترجمہ۔ سب تعریفیں ثابت ہیں اس ذات کے لیے جس نے عزت دی اپنے ان اولیاء کو جو ہر جگہ اور ہر عالم میں صبر کرتے تھے۔ اور اکرام کیا اپنے اُن احباء کا جو ہر عصر اور ہر زمانہ میں شکر کرتے ہیں۔ پاک و پاکیزہ ہے وہ خبیر ذات جس نے ان صبر و شکر کرنے والوں کا الم و غم رنج و مصیبت سے امتحان لیا اور کسقدر عظیم الشان ہے وہ بصیر ذات جس نے ان شخصیتوں کو مصیبتوں فکروں حوادث و آلام میں مبتلا کرکے جانچا۔ خداوند عالم رحمت کاملہ نازل کرے ہمارے سردار ابوالقاسم محمدؐ پر کہ جو بہترین شریعت اور دین کے ساتھ بھیجے گئے تھے جن کی تائید ایسے معجزوں کے ساتھ کی گئی تھی جن کے آگے عیسائیوں اور یہودیوں کے دینی پیشواؤں نے سر عجز خم کیا۔ جو ایسی نشانیوں کے ساتھ قوی بازو کیے گئے تھے جن کا چرچا دُنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل کر رہا جو اہل نفاق اور بدخو لوگوں کے کینہ کی سخت ترین بلاؤں اور دشمنوں اور لڑاکو لوگوں کی بدترین عداوت کا خندہ پیشانی سے تحمل کرتے تھے۔

جو صاحبان ظلم و جور کی اذیت رسانی گمراہوں اور اہل ضلالت کی ایذا دہی پر کمال صبر فرماتے تھے۔

رحمت کاملہ نازل ہو ان کی ایسی مطہر آل پر جو ہر قسم کی آلائش سے دور رہی۔ اور ان کی ایسی پاکیزہ عترت پر جن کا لباس بھی ہر قسم کی چرک آلودگی سے پاک و صاف رہا۔ درود نازل ہو آنحضرت کے برادر اور ہمارے سید و آقا امیر المومنین علیہ السلام پر اور خصوصاً آنحضرت کے چھوٹے نواسہ پر جن کی مصیبت پر انسان بھی روئے اور جنات بھی ملائکہ بھی روئے اور جنات بھی حاملین عرش بھی اور خزینہ داران فردوس بھی حوریں بھی روئیں اور غلمان بھی لعیا بھی روئی (جو وقت ولادت امام بحکم خدا قابلہ کے فرائض انجام دینے آسمان سے آئی تھی) اور رضوان بھی جن پر پرندہ بھی نوحہ کناں ہوئے اور مچھلیاں بھی درندوں نے صحراؤں میں نوحہ کیا درختوں نے شاخوں سے نوحہ کیا (الغرض) دُنیا کی ہر شے نے اپنی اپنی جگہ پر نوحہ و ماتم کیا۔

جو اپنے وطن اور اہل و برادران سے دور شہید کیے گئے جن پر ایسا ظلم کیا گیا جو عالم آشکارا ہے جن کو نیزہ و شمشیر سے زخمی کیا گیا تیر سے مجروح کیا گیا جن کے خون سے نیزے اور برچھیاں سیراب ہوئیں جن کو بلا غسل و کفن دفن کیا گیا جن کا لباس لوٹ لیا گیا اور جسم اقدس عریاں رہا جو پیاسے کی شدت میں رہے۔ یعنی ہمارے مولا اور سردار ابی عبداللہ الحسینؑ جنکو پیاسا شہید کیا گیا جنکو بغیر سیراب کیے ہوئے ذبح کیا گیا ایسی رحمت کاملہ جو شفاعت کرنے والی اور نفع مند ہو کہ ہمارے ثواب کا پلہ بھاری کردے مفید بھی ہو اور فلاح دینے والی ہو اُس دن جس دن آسمان سُرخ چمڑے کے مانند لال ہو رہا ہوگا۔

حسینؑ اور اسلام

(نوشتۂ عالیجناب امیر الامراء نواب صاحب بہادر مرشدآباد کے سی، ایس آئی سی، سی بی وغیرہم)

جناب رسالتمآبؐ نے جن کی زندگی کا ہر سکون اور ہر حرکت احکام خداوندی سے مطابق ہوتی تھی اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور الہام و وحی کے توسط سے اُس کی اہمیت کو ظاہر و واضح فرمایا۔ خاتم النبیین کا ثبات و عزم جس میں توفیق خداوندی بھی پورے جاہ و جلال کے ساتھ کارفرما تھی آپ کے اُس اہم اور مہتم بالشان کام میں برابر ظاہر ہوتا رہا جس کے لئے مبعوث برسالت ہوئے تھے۔ رسول عربی کی شہرت حیرت انگیز سرعت کے ساتھ نزدیک و دور پہونچ گئی۔ آپنے برسوں کی ریاضت اور مدتوں کے مراقبہ کے بعد تائید الٰہی سے ایک ایسا فطری مذہب پیش کیا جسے بہت سہولت کے ساتھ عوام نے قبول کر لیا اور اُس کی یہی خوبی اس کی کامیابی و مقبولیت کا باعث ہوئی اور آج بھی اسی کی بدولت وہ اہل دنیا کے لئے جاذبیت و رغبت کا سبب بنا ہوا ہے عرب کے ہر ایک حصے کے باشندے جوق جوق جناب ختمی مرتبتؐ اور انکے لائے ہوئے دین کی طرف رجوع ہوئے تاکہ وہ اُن پیغامات و ہدایات کو سنیں جو اسلئے بھیجے جا رہے تھے کہ اُس ظلمت و جہالت کے پردوں کو چاک کر دیں جن کے اندر اہل عرب برسوں سے پڑے ہوئے تھے اور ایک غیر مذہبی زندگی بسر کر رہے تھے انہیں تعلیمات کا یہ نتیجہ تھا کہ ایک وسیع اسلامی سلطنت کی بنیاد پڑی جس نے سالہائے مابعد میں زبردست اہمیت و حیثیت اختیار کر لی۔

یہ دین فطرت گوناگوں نعمات و برکات اور روحانیت کی زندگی کو بڑھانے کا سبب ہے۔ رسول عربی کی معصوم فطرت اور توحید و وحدانیت کا نظریہ ایسا جاذب توجہ تھا جس کی وجہ سے آپ کو عام طور پر دنیا کا سب سے بڑا مذہبی معلم و مصلح سمجھا جاتا ہے۔

آپ کو جو قوت و اقتدار حاصل ہوا وہ اسلئے نہیں کہ آپ کو قوت و اقتدار کی ہوس تھی اور آپ نے اُس کے حصول کی سعی فرمائی بلکہ آپ کو جو کچھ حاصل ہوا وہ اُس بے نظیر عزم و استقلال، حلم و بردباری اور فرائض خداوندی کے احساس کی وجہ سے جو آپکی زندگی کا نمایاں پہلو تھا وجود خدا کے اقرار اور اسکی پرستش و عبادت ہی کو آپ انسانی نجات کے لئے ضروری خیال فرماتے تھے۔

آپ کی نیکوکاری آپکے بلند اخلاق، خلق خدا کے ساتھ آپ کی شفقت و مہربانی یہ وہ اوصاف تھے جن کو دیکھکر ہر شخص آپ کی بلند شخصیت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوتا تھا اور آپ کی راست بازانہ تعلیمات کو اس اُمید پر قبول کرنے کو تیار ہو جاتا تھا کہ وحدانیت کا عقیدہ اُس کی نجات کا سبب بن جائے گا۔

اسلام ایک سادہ اور فطری مذہب ہے جو ایک ایسے راستہ پر چلنے کی ہدایت کرتا ہے جس کو اختیار کر کے انسان خدا سے قریب تر ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ اسلامی احکام و تعلیمات پر کاربند رہے اور اپنے خالق کی عبادت کرتا رہے۔ رسول عربیؐ نے انسان کو ایک ایسے عقیدہ کی تعلیم دی جس کی نظیر کسی عہد یا کسی دور میں نہیں مل سکتی اور جو اُس الہام کا نتیجہ تھا جس کو دریافت کرنے کے لئے آپنے مدتوں عبادت و ریاضت میں بسر فرمائی۔

کوئی مسلمان اُس بیش قیمت خدمتوں اور گرانقدر قربانیوں کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا جو حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسلام کے بقا و استحکام کی خاطر فرمائیں امام مظلوم کی شہادت اُس خبر کے ماتحت عمل میں آئی جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسط سے خدا نے آپ تک پہونچائی تھی۔ اس خبر شہادت نے امامؑ علیہ السلام کے ثبات و عزم میں مزید پختگی پیدا کر دی تھی اور ہمت و جرأت اتنی بلند ہو گئی تھی کہ زندگی کے آخری لمحہ تک آپ اس پر آمادہ نہ ہو سکے کہ اپنا ہاتھ ایک فاسق و فاجر کے ہاتھ میں دیدیں اور اُن دشمنان اسلام کی اطاعت قبول کر لیں جو ظلم و تعدی پر کمربستہ تھے اور چاہتے تھے کہ نواسہ رسول اور نائب رسول کو اپنا مطیع و منقاد بنا لیں اور اس کے لئے انھوں نے ہولناک مظالم اور زہرہ گداز تعدیوں کا مظاہرہ کیا۔ جو جور و جفا امام حسینؑ پر روا رکھی گئی اُسکی مثال دنیا کی تاریخ میں ملنا ناممکن ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ مظالم ایک بہترین خلق ہستی پر اُن افراد کے ہاتھوں ڈھائے گئے جو اسلام کا دعویٰ کرتے تھے۔

شہ کا ملبوسِ کفن زینبؑ کی چادر لے گئے

(نتیجۂ فکر بلند لسان القوم عالیجناب مولانا سید علی نقی صاحب صفی لکھنوی مدظلہ)

مجلسوں سے کچھ ملک شیشوں میں بھر کر لے گئے — لے گئے آنسو عدا جانے کہ گوہر لے گئے
جو نہ لیجا تا تھا وہ بھی ستمگر لے گئے — شہ کا ملبوسِ کفن زینبؑ کی چادر لے گئے
قد و قامت جن پہ زیبا چادرِ تطہیر تھی — ہائے اُن پردہ نشینوں کو کھلے سر لے گئے
صفحۂ قرطاس پر چلتے لرزتا ہے قلم — عابدِ بیمار کو تا شام کیونکر لے گئے
لوحِ اُمت یادگارِ خامسِ آلِ عبا — ڈوبتی کشتی کو مولا تم بچا کر لے گئے
کچھ مصلے کربلا سے عازمِ خلدِ بریں — ساتھ اپنے رونقِ محراب و منبر لے گئے
دوپہر میں ایک تن پر زخم تھے سینکڑوں — ایک دل پر داغ شاہِ دیں بہتّر لے گئے
نعش تھا کیا اشقیا کو فاطمہؑ کے لال سے — کچھ نہیں تو جھولیوں میں [illegible] لے گئے
سنگ دل تھے کیا انہیں درِ یتیمی کا لحاظ — کان سے بالی سکینہؑ کے جو نوچ کر لے گئے
تشنگانِ کربلا کی کون پہنچاتا خبر — خون بھر کر اپنے پنجوں میں کبوتر لے گئے
قبر میں الفت علمِ شبیرؑ آخر کام آئے — بے بہا سوغات تھی جو دیدۂ تر لے گئے
ہم اسی در کے گدا ہیں ہم اسی در کے فقیر — [illegible]
عرصۂ محشر میں تھا مستِ مئے خمِ غدیر — جھک کے ہاتھوں ہاتھ ساقیِ کوثر لے گئے
دیر کو پہنچے درِ شاہِ نجف پر ہم فقیر — ایک عہدہ تھا غلامی کا سو قنبر لے گئے
کیا کہیں ہم تو [illegible] — جبرئیل [illegible] لے گئے

کیا یہ سچ ہے

(نوشتہ عالیجناب مولانا مولوی غنی شاہ نظامی مدظلہ العالی حیدرآباد دکن)

میں تم میں دو بھاری چیزیں کتاب خدا اور اپنے اہلبیت چھوڑے جاتا ہوں جبتک تم ان سے متمسک رہوگے گمراہ نہوگے اور یہ دونوں ایکدوسرے سے جدا نہونگے تاوقتیکہ میرے پاس حوض کوثر پر نہ لوٹ آئیں گے۔ یاد رکھو کہ تم میرے بعد ان سے کیا سلوک کرتے رہوگے اسکے تم جوابدہ رہوگے۔

ہجرت کے دسویں برس بہ تقریب حجۃ الوداع بمقام عرفات عرفہ کے روز ایک لاکھ چوبیس ہزار کے مجمع میں پھر مدینہ واپس ہوتے ہوئے بمقام غدیر خم بروز پنجشنبہ بتاریخ ۱۸ ذی الحجہ بوقت ظہر مالک رقاب امم نے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ وصیت فرمائی اور علیؑ کا ہاتھ بلند کر کے فرمایا تھا میں جس کا مولا ہوں علیؑ اس کا مولا ہے۔

کیا یہ صحیح ہے؟

بروایات حضرات عمرؓ و علیؑ و فاطمہؑ و ام سلمہؓ و جابرؓ ایام رحلت میں بھی آنحضرت نے حضرات علیؑ و فضلؓ بن عباس کے سہارے ممبر اقدس پر جلوہ فرما ہو کر وصیت فرمائی کہ تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں وہ خدا کی کتاب اور اہلبیت محمدؐ ہیں تم ان سے متمسک رہوگے تو گمراہ نہوگے یہ حوض کوثر پر لوٹ آنے تک یکدوسرے سے جدا نہونگے۔ تم میرے بعد ان سے جو سلوک بھی کروگے اسکے جوابدہ رہوگے پھر علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور فرمایا یہ علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن اسکے ساتھ ہے۔

بروایات حضرات ام سلمہؓ و عائشہ و ابن عباس بروز رحلت بوقت آخر دونوں صاحبزادوں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو روتے سنکر نزدیک طلب فرمایا اپنے سینہ سے چمٹا لیا پیار کیا اور وصیت کی تم لوگ میرے ان بچوں اور جگرپاروں کو میری امانت جانو۔ اپنے بچوں سے بڑھکر ان سے محبت رکھو۔ خبردار انھیں تمہاری باتوں سے کوئی تکلیف پہونچے انھیں جو ایذا دیگا وہ مجھے ایذا دیگا

کیا یہ امر واقعہ ہے؟

کہ امام حسنؑ و امام حسینؑ کے نانا ہمارے نبیؐ اور رسولؐ سید الاولین والآخرین ہیں۔ انکے نانا افضل الانبیاء والمرسلین ہیں۔ انکے نانا سید بنی آدم ہیں۔ انکے نانا افضل پاکان دو عالم ہیں۔ انکے نانا شفیع المذنبین ہیں۔ ان کے نانا رحمۃ اللعالمین ہیں۔ انکے نانا عالم کان و مایکون ہیں۔ ان کے نانا ہمارے امام پیشوا ہادی اور وسیلہ ہیں۔

ان دونوں صاحبزادوں کے والد اول مومن اور اول مسلمان ہیں۔ ان کے باپ صدیق اکبر ہیں۔ انکے باپ ملقب بہ صفدر و حیدر ہیں۔ انکے باپ قرآن ناطق ہیں۔ انکے باپ امام مشارق و مغارب ہیں ان کے باپ خلع باب خیبر ہیں۔ ان کے باپ فاتح احد و خندق ہیں۔ ان کے باپ محبوب خدا و رسول ہیں۔ ان کے باپ برادر پیغمبر ہیں۔ انکے باپ ہارون محمدؐ ہیں۔ ان کے باپ باب علم ہیں۔ ان کے باپ وصی رسول ہیں اور ان کے باپ مولائے امت ہیں۔

ان دونوں صاحبزادوں کی ماں سیدۂ عالمین۔ ان کی ماں سیدۂ زنان امت۔ ان کی ماں سیدۂ زنان جنت ان کی ماں انسانی حور۔ ان کی ماں عصمت کی شمع طور۔ ان کی ماں مریم زماں۔ ان کی ماں فرشتہ دوراں۔ ان کی ماں حور جناں۔ ان کی ماں خیر النساء انکی ماں فاطمہؑ زہرا ہیں۔

قطعہ

(از قلم جناب نواب سید زین العابدین صاحب صفوی لکھنوی)

تمھیں نے کفر اور اسلام کی منزل جدا کردی　　بچا یا کشتی امت کو اور ہستی فنا کردی
پیمبر سے ہوا تم سے ہمیشہ جاری وحدت　　نبی نے ابتدا کی اور تم نے انتہا کردی

کیا یہ ثابت ہے

کہ نبی نے فرمایا تھا (۱) حسینؑ مجھ سے ہے میں حسینؑ سے ہوں (۲) حسینؑ بہشتی جوانوں کے سردار ہیں (۳) حسینؑ میرے دو پھول ہیں (۴) حسینؑ میرے لخت جگر ہیں (۵) حسین میرے نور نظر ہیں (۶) حسین سبطین ہیں (۷) خدایا ان کے دوستوں کو دوست اور ان کے دشمنوں کو دشمن رکھ۔ (۸) خداوندا یہ دونوں میرے پیارے ہیں تو بھی انھیں محبوب رکھ ان کے دوست کو دوست اور ان کے دشمن کو دشمن رکھ (۹) ان دونوں کا نانا میں ہوں۔ ان کی نانی خدیجہ ان کی ماں میری بیٹی فاطمہ اور ان کا باپ میرا ابن عم علی ہے۔ انکا چچا جعفر ہے ان کی پھوپی ام ہانی ہے ان کی خالہ رقیہ و زینب ان کے ماموں قاسم اور ابراہیم ہیں۔ ان کا نانا جنتی۔ انکی نانی جنتی ان کا باپ جنتی ان کا چچا جنتی۔ انکی پھوپھی جنتی ان کا ماموں جنتی انکی خالائیں جنتی اور یہ دونوں جنتی اور ان کے محبان جنتی

ہیں (۱۰) حسینؑ عرش کے دو گوشوارے ہیں (۱۱) محبان حسینؑ محبان محمدؐ ہیں (۱۲) میرا محبوب ترین فرزند حسینؑ ہے (۱۳) بہترین مرد علیؑ ... بہترین نوجوانان حسنؑ و حسینؑ ہیں (۱۴) میری مسجد ہر ناپاک کے لئے حرام ہے سوا علیؑ فاطمہ حسنؑ و حسینؑ کے (۱۵) ہم اہلبیت سے جس نے دشمنی کی وہ دوزخی ہے (۱۶) حسینؑ اور اس کی اولاد کی تعظیم واجب ہے۔

کیا یہ امر صحیح ہے؟

کہ حسینؑ آسمان ولایت۔ آفتاب امامت۔ گوہر معدن نبوت تصویر صداقت مرقع شہادت۔ قدسی صفت۔ عرشی منزلت۔ فرشتہ سیرت۔ معدن حلم و حیا نمونہ صدق و صفا۔ سراپائے تسلیم و رضا۔ دریائے جود و عطا۔ سفینۂ نجات سید الشہداء محبوب خدا اور نور نظر محمد مصطفےٰ تھے

انکی عظمت مسلمہ۔ ان کی فضیلت محکمہ۔ ان کی عصمت منصوص ان کی طہارت مکتوب۔ ان کی محبت واجب انکی مودت فرض ان کی امامت مشہور ان کی کرامت متواتر۔ ان کی خرق عادت متکاثر ان کی عبادت عیاں۔ ان کی اطاعت نمایاں ان کی سخاوت زباں زد۔ ان کی مردانگی ثابت انکی نماز تلوار کے نیچے ان کی تلاوت سر نیزہ ان کی قرابت محمدؐ سے۔ انکی طینت محمدؐ کی۔ ان کی خلقت محمدؐ سے۔ ان کی تعریف قرآن میں۔ ان کے فضائل حدیث میں۔ یہ شبیہ محمدؐ یہ نظیر محمدؐ۔ یہ نفس محمدؐ اور یہ جان محمدؐ تھے۔

کیا یہ نفس الامر ہے!

کہ امت کے کلمہ گویوں نے حسینؑ اور ان کے اٹھارہ بھائی بند اور فرزند بال کو روز عاشورہ محرم ۶۱ھ میں بمقام کربلا تین دن تک بوند پانی سے ترسا ترسا کر قتل کیا حسینؑ کے لاش اطہر پر گھوڑے دوڑائے حسینؑ کا خیمہ گاہ لوٹا اہلبیت محمدؐ کے زیور کپڑے اور سامان لوٹ لئے۔ حرم محترم حسینؑ یعنی رسولؐ کی نواسیوں کو رسن بستہ کر کے کربلا سے کوفہ، کوفہ سے شام اور شام سے کربلا لئے پھرے۔ انکے ایک بچے کھچے فرزند بیمار زار کو طوق و زنجیر سے جکڑ کر ہزاروں میل بے کجاوہ اونٹ پر سوار کروا کے ذلیل اور رسوا کرنے کی غرض سے لے گئے۔ کوفہ کے دربار میں رسولؐ کی نواسیاں رسولؐ کی پوتیاں اور رسولؐ کی بہو بیٹیاں۔ بے پردہ کھلے بندوں لائی گئیں۔ اور ذلیل ترین شخص کے ذلیل الفاظ انھیں سننے پڑے۔ دربار شام میں عراقیوں عجمیوں مغربیوں، شامیوں اور اہل فرنگ کے مواجہہ میں امیر شام جیسی بدترین شخصیت نے ان رسولؐ زادیوں کی توہین اور بے حرمتی کروائی۔

کیا یہ حقیقت ہے

کہ واقعہ کربلا کے روز ٹھیک وقت عصر جبکہ حسینؑ کے سوکھے گلے پر خنجر چل چکا تھا حضرت ام سلمہؓ نے مدینہ میں حضرتؓ ابن عباس نے مکہ میں اور حضرت ابو درداء نے شام میں آنحضرت کو ننگے سر ننگے پیر جسم اقدس گرد و غبار اور خون آلودا اپنے خوابوں میں دیکھا تھا اور حضور نے فرمایا تھا کہ میرا حسینؑ، آج اسی وقت کربلا میں قتل کر دیا گیا اور یہ اسی کا خون ہے۔

اس واقعہ ائمہ پر انبیاء اولیا۔ اصفیا۔ اجنہ۔ ملائکہ۔ طیور وحوش کا اندوہ و بکا ہماری کتابوں میں ثقات مروی ہے جنات کا اور مخدرات اہلبیت حضرت زینبؑ اور حضرت ام کلثومؑ کا اپنے بھائی اور امام پر مرثیہ خوانیاں کرنا ہماری مستند کتابوں میں مروی ہے اور آثار و آثار فلکیہ کا اظہار رنج و الم بصورت کسوف آفتاب۔ خونباری اور زمین سے خونیں فواروں کے جاری ہونے کی روایتیں۔ ہماری کتابوں میں یہ اسناد حید نہیں ہیں۔

کیا یہ سچ ہے

کہ و من یقتل مومنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا فیہا و غضب اللہ علیہ و لعنہ و اعد لہ عذابا عظیما۔ آیت قرآنی ہے۔

قطعات

(نتیجۂ فکر بلند سید یحییٰ علی صاحب آنریری جنرل اسسٹنٹ ڈیٹیوشن لکھنؤ)

تعزیہ داری کو بدعت کہتے ہیں جو خیرہ سر
وہ مسلماں ہی رہے ہم کو بتائیں سوچ کر
تعزیہ داری سے اس کی یاد تازہ ہوتی ہے
آج تک روحانیت کا جس کی قائم ہے اثر

(۲)

نام حسینؑ دل سے بھلایا نہ جائے گا
تا حشر غم کا داغ مٹایا نہ جائے گا
ہوگا شفق کی طرح نمودار چرخ پر
خون شہید [illegible]

حیاتِ جاودانی

ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

(نوشتہ عالیجناب مولانا مولوی سید محمد سبطین صاحب قبلہ سرسوی پروفیسر لدھیانہ کالج)

تمہید دہریوں کے سوا کل افراد انسانی کسی نہ کسی حیثیت سے حیات جاودانی کے قائل ہیں۔ بلکہ ہر وہ شخص جو خدا کی ہستی پر اعتقاد رکھتا ہے اور ناموس آلہی کا قائل ہے وہ اسی کا طالب ہے کہ اسکو حیات جاودانی حاصل ہو۔ اور یقین رکھتا ہے کہ اسکو مرنے کے بعد یہ دولت ایک دن ضرور حاصل ہوگی کیونکہ یہ حقیقت کل اہل دیانات کے نزدیک مسلم ہے کہ روح انسانی مرتی نہیں — الانسان حیّ بعد الموت حکمار کا مسلم مقولہ ہے۔ ہنود جو حشر و نشر کے منکر اور تناسخ ارواح کے قائل ہیں وہ بھی بہر نہج روح کو اس جسد عنصری سے جدا ہونیکے بعد زندہ ہی جانتے ہیں اگر وہ نیک روح ہے تو تناسخ کی منازل طے کرکے ایک دن مہاتما بن جائے گی اور پھر ترقی کرتے کرتے پرماتما سے متصل یا اس میں جذب یا وہی پرماتما ہو جائیگی اور پھر اس تناسخ کے جال سے بالکل آزاد اور یہ انکی حیات جاودانی ہے

حیات ابدی دیانت اسلامیہ۔ اسکی مصرح ہے کہ انسان مرنے کے بعد حیات ابدی حاصل کریگا یا بصورت حسن یا بصورت قبیح یا مخلد فی النعمات رہیگا یا مخلد فی النقمات یا ہمیشہ اس کے لئے سیر باغ نعیم ہے یا دوام نار جحیم۔ جو باغ نعیم میں ان کی حیات حیات جاودانی ہے۔

فاما الذین سعدوا ففی الجنۃ خالدین فیہا واما الذین شقوا ففی النار خالدین فیہا مادامت السموات والارض۔

اس برزخی نعیم و جحیم کے بعد دار نعیم و جحیم آخرت ہے۔

فاما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنت نعیم واما ان کان من اصحاب الیمین فسلام لک من اصحاب الیمین واما ان کان من المکذبین الضالین فنزل من حمیم وتصلیہ جحیم ان ھذا لھو حق الیقین۔

(آخر سورہ واقعہ)

پس اگر وہ مقربین بارگاہ الٰہی سے ہے تو اسکے لئے راحت و عشرت ابدی ہے اور سیر جنات نعیم اگر وہ اصحاب یمین اور پیروان مقربین سے ہو تو اس کے لئے سلامتی ابدی اور دار السلام میں قیام و دوام ہے۔ اور اگر گمراہ جھٹلانے والوں میں ہو تو اسکے لئے آب گرم کی دعوت اور جہنم کی آگ ہے۔ نہیں یہ سب کچھ قطعی اور یقینی ہے اسمیں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

حضرت سید الموحدین امام العارفین امیر المومنین علی بن ابی طالب ارشاد فرماتے ہیں —

الموت احد امور ثلثۃ یرد علیہ مرنے والوں کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جنکے [illegible]

[illegible]

بشارۃ بنعیم الابد واما تخویف وتھویل وامر مبھم لا یدری من ای الفرق ھو واما ولینا والمطیع لامرنا فھو المبشر بنعیم الابد واما المبھم امرہ الذی لا یدری ماحالہ فھو المومن المسرف علیٰ نفسہ لا یدری مایؤل حالہ الیہ یاتیہ الخبر مبھما ثم لن یسوّیہ اللہ تعالیٰ باعدائنا ولکن یخرجہ من النار بشفاعتنا فاعملوا واطیعوا ولا تتکلوا ولا تستصغروا عقوبۃ اللہ فان المسرفین من لا تلحقہ شفاعتنا الا بعد عذاب اللہ بثلث مائۃ الف سنۃ (عقائد)

دوسرے وہ جنکے لئے عذاب ابدی کی بشارت ہے۔ تیسرے وہ جنکا معاملہ مبہم و غیر معروف ہے۔ نہیں معلوم وہ کس فرقہ میں ہوگا لیکن ہمارے دوست اور ہمارے حکم کی اطاعت کرنے والے تو انکے لئے موت نعیم ابدی کی بشارت ہے۔ لیکن ہمارے دشمن تو ان کے لئے عذاب ابدی کی بشارت ہے اور وہ لوگ جن کا معاملہ مبہم اور غیر معلوم ہے نہ انکے لئے نعیم ابدی کا فیصلہ اور نہ عذاب ابدی کا۔ وہ گنہگار مومن ہیں وہ نہیں جانتے کہ انکا کیا حال ہوگا۔ انکو خبر مبہم طور پر آئیگی۔ پھر بھی خدا انکو ہمارے دشمنوں سے نہ ملائیگا بلکہ انکو ہماری شفاعت کے وسیلہ سے جہنم سے آزاد کرے گا۔ بس (اے ہمارے شیعو) نیک عمل کرو۔ طاعت و عبادت اختیار کرو اور محض شفاعت پر بھروسہ نہ رکھو اور عذاب خدا کو حقیر نہ جانو کیونکہ بعض گنہگار مومن ایسے بھی ہوں گے جنکو تین تین لاکھ برس عذاب کے بعد ہماری شفاعت نصیب ہوگی (اعاذنا اللہ من ذالک)

کل من علیہا فان ہر وجود جسمانی فنا ہونے والا ہے۔ اور اسکے فنا میں انسان کی بقا حیات جاودانی ہے اور موت ہی اس حیات جاودانی کا پیغام مگر لوگ اس سے اسلئے ڈرتے ہیں کہ اسکو پہچانتے نہیں کہ وہ کیا ہے۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے کسی نے عرض کیا کہ وجہ کہ مسلمان موت سے ڈرتے ہیں اور مرنے سے کراہت کرتے ہیں۔ فرمایا اس لئے کہ وہ جاہل ہیں اور اسکو پہچانتے نہیں کہ موت کیسی نعمت ہے۔ اگر وہ اسکو پہچانتے اور فی الحقیقت اولیاء اللہ سے ہوتے تو اسکو دوست رکھتے (فتمنوا الموت ان کنتم صادقین) اور جان لیتے کہ دوسری زندگی ان کے لئے اس حیات دنیویہ سے کہیں بہتر ہے۔

موت۔ طائر قدس روح کو اس قفس عنصری کی قید سے نکال کر فضائے آزادی میں لے جاتی ہے۔ اور اس لئے اولیاء اللہ ہمیشہ اسکے طالب رہتے ہیں اور جان سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں اور ہمیشہ زبان حال بلکہ زبان مقال سے کہتے ہیں۔

حجاب چہرۂ جاں می شود غبار تنم　　خوشا دمے کہ ازیں چہرہ پردہ برفگنم

چنیں قفس نہ سزائے چو من خوش الحانیست　　روم بہ گلشن رضوان کہ مرغ آں چمنم

ہمیشہ اُن کا وظیفہ یہی ہوتا ہے کہ۔

چناں گرم کن عزم را ہم بتو　　کہ خواہم دل آیم چو آیم بتو

حیات جاودانی

جو ہے پیغام موت کی زبانی حاصل ہوتی ہے مسلّم ہے اور ہر ایک اسکا قائل اور طالب۔ لیکن عام محاورات یا اصطلاح عرفی میں جب کسی کو زندۂ جاوید کہا جاتا ہے یا اُسکے لئے حیات جاودانی ثابت کیجاتی ہے تو اسکی یہ مراد نہیں ہوتی۔ اس حیات جاودانی سے حیات اخروی مقصود نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عالم اخروی سے پہلے وہ حیات حاصل ہو اور پھر یہ حیات اس حیات اخروی سے متصل ہو یوں کہئے کہ اس عالم میں موت نہ آئے اور اسی معنی میں کہا جاتا ہے کہ انبیا نہیں مرتے اور مسلمان قائل ہیں حیات محمدی کے اور چونکہ حیات محمدی قائم ہے اسی لئے انکی نبوت اور دین باقی ہے اور جیسے وہ حیات ظاہری میں ہمارے ہادی و پیغمبر تھے اب بھی ہمارے ہادی و پیغمبر ہیں اور ہم انھیں کا کلمہ پڑھتے ہیں اور انھیں کی نبوت میں ہیں ان کے انتقال ظاہری کے بعد کسی اور نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ جناب رسالتمآبؐ خود ارشاد فرماتے ہیں الانبیاءُ لا یموتون ولکن ینقلون من دار الیٰ دار۔ (بحار جلد چہاردہم) انبیاء مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہو جاتے ہیں یعنی عالم جسمانی سے نکل کر عالم نفسانی کے گھر میں چلے جاتے ہیں۔ یہ حیات جاودانی ہے۔ انپر گویا موت طاری نہیں ہوتی۔ ان نفوس نے ذائقہ موت نہیں چکھا اور گویا کل نفس ذائقۃ الموت سے مستثنیٰ رہے اور زندہ جاوید ہیں اب بھی باوجود انتقال زندہ ہیں اور بعد قیامت بھی ہمیشہ رہیں گے۔

اور اسی طرح شہداء راہ خدا زندۂ جاوید ہیں۔ کہ خداوند عالم ان کے لئے مخصوصًا فرماتا ہے۔

لا تحسبنّ الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون (الآیہ) (آل عمران ۱۰) جو لوگ راہ خدا میں شہید ہو گئے انکو مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس روزی پاتے ہیں۔

اور اس لئے یہ زندۂ جاوید کہلاتے ہیں اور یہ بالکل صحیح اور حقیقت واقعہ ہے اور اسی کلیہ سے ہمارے خوش فہم برادران اسلامی نے اس چودھویں صدی میں یہ نظریہ قائم فرمایا ہے کہ شہداء زندہ جاوید ہیں۔ اور زندہ پر رونا پیٹنا خلاف عقل معلوم ہوتا ہے لہذا سید الشہداء حسین بن علی علیہ التحیۃ والثنا پر رونا پیٹنا اور ماتم کرنا نادرست اور فعل عبث ہے اور اپنی قساوت قلبی اور سنگدلی کو (کہ مظلوم شہید پر انکے آنسو نہیں ٹپکتے اور اس کا غم و الم انکے قلب محسوس نہیں کرتے) اس پردہ میں چھپاتے ہیں اور کوچہ و بازار میں نعرہ لگاتے۔ ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے۔

کبھی کسی دور حیات میں حکماء اور علماء اس کج فہمی کی تہ کو نہیں پہونچے کہ زندہ جاوید کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہماری طرح اس دنیا میں زندہ موجود ہے اور اس پر ظلم و ستم کی تکلیف نہیں گذری۔ اس نے زخم نہیں کھائے اور انکا خون نہیں بہا۔ اور اب ہم ان سے اسطرح مل سکتے ہیں اور بات چیت کر سکتے ہیں جس طرح اس سے پہلے عالم حیات دنیاوی ظاہری میں ملتے اور بات کر سکتے اور دیکھ سکتے تھے۔ ہرگز نہیں۔ صورت ظاہری میں انھیں نے ضرور اس عالم جسمانی سے انتقال فرمایا اور آغوش لحد میں سوئے سا انبیا بھی جن کی حیات جاودانی مسلم ہے اور جنکے لئے یہ کہا گیا کہ وہ مرتے نہیں۔ تو اسی میں اسکے معنی بھی بتلائے ہیں کہ وہ اس جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں یعنی اس عالم سے انکا بھی انتقال ضرور ہوتا ہے اور اسی طرح شہداء راہ خدا بھی قتل ہوتے ہیں اور زیر خاک خواب شیریں سے ہم آغوش اور ہم سے یقینًا جدا۔ اور در اصل غم و الم کا احساس۔ احساس و ادراک ظاہری جسمانی سے ہوتا ہے جس عالم میں انکی حیات ہے اسکو ہم محسوس نہیں کرتے اور عالم حس میں ہمیں وہ مقتول دکھائی دیتے ہیں اور انپر ظلم و ستم کے مرقعے ہمارے سامنے ہیں اور اسی پر غم و الم کا احساس مرتب ہوتا ہے اور ہم رنج و غم کرتے ہیں

۷۸۶

انفاس قدسی

(رشحۂ قلم سید محمد جعفر صاحب قدسی حاسی)

ذبح سجدے میں جو پیاسا سرورِ عالم ہوا　　خلق کا کیا ذکر ہے خالق شریکِ غم ہوا
آسمان سے خون برسا دیر تک کانپی زمیں　　شاہ کے مرتے ہی عالم کا عجب عالم ہوا
کربلا سے شام تک کی منزلیں واقف ہیں خوب　　بعد شہ کے رنج زینب کا بڑھا یا کم ہوا
حسرتِ اکبر پہ صدقے سارے ارمان شباب　　کیا جوانی تھی کہ جسکا عرش پر ماتم ہوا
فرقت عباس و اکبر میں ہوا یہ شہ کا حال　　خم ہوئی سیدھی کمر، نور نظر بھی کم ہوا
رسیوں سے بازوئے اہل حرم باندھے گئے　　بعد شہ بھی سلسلہ بیداد کا کب کم ہوا
بیڑیاں پہنے چلا جب راہ غربت میں امام　　ہر قدم پر خانۂ زنجیر میں ماتم ہوا
کربلا سے شام آئے قید ہو کر اہلبیت　　بیکسی مونس ہوئی زنداں میں غم ہمدم ہوا
مل گئی غم سے نجات اُس کو ہمیشہ کیلئے　　مجلس ماتم میں آکر جو شریکِ غم ہوا

لذت غمخواری شبیر قدسی کیا کہوں
بڑھ گئی کتنی مسرت، رنج کتنا کم ہوا

فلسفہ غم

حقیقت یہ ہے کہ رنج و الم محبوب یا فراق محبوب پر مرتب ہوتا ہے۔ یا فوت محبوب پر یا ظلم و اذیت محبوب پر یہاں یہ تمام امور مسلم ہیں وہ شہداء ہم سے جدا ہوئے یقینًا ہوئے اور محبوب کی جدائی موجب رنج و ملال ہے وہ ہمسے فوت ہوئے اب ہماری رسائی اُن تک نہیں ان کی ملاقات قیامت پر موقوف سمجھے جاتے ہوئے کہتے ہیں قیامت کو ملیں گے یہ کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور یہی فوت مطلوب باعث حزن و ملال۔ ہم جانتے ہیں کہ اس عالم میں انپر ظلم ہوئے اور ان کے دشمنوں کی طرف سے اذیتیں پہونچائی گئیں اور ان اذیتوں سے وہ متاذی ہوئے اور محبوب کی اذیت اپنی اذیت ہوتی ہے اور اذیت کو رنج و ملال کا احساس لازم کیا ہمارے یہ بھولے بھائی یہ نہیں جانتے کہ عاشق زار جو تمام عمر روتے ہی گذارتا ہے وہ اپنے محبوب کو مردہ فرض کر لیتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ وہ اسکے فراق اور جدائی پہ روتا ہے اور فراق محبوب عارضی ہو یا دائمی موجب حزن و ملال و رنج و غم ہوتا ہے۔

مرنے ہی پہ موقوف ہے کیا گریہ و زاری
کیا ہجر کے دن عیش کو برہم نہیں کرتے (قیس)

اور دنیا کا کوئی فرد محبوب سے خالی نہیں محبت فطرت انسانی میں داخل ہے البتہ محبوب جدا جدا ہوتے ہیں۔ کوئی انسان اپنے والدین اور اولاد کو دوست رکھتا ہے۔ کوئی بھائیوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور اسمیں تمام انسان شریک ہیں۔ کوئی اس محبت میں حد درجہ بڑھتا جاتا ہے اور بہن بھائیوں کا عاشق ہوتا ہے انکے فراق پر خواہ عارضی ہو یا دائمی غمگین ہوتا ہے۔ کبھی روتا پیٹتا ہے۔ کوئی اپنی ہم صحبتوں کو زیادہ محبوب رکھتا ہے۔ انکے فراق میں بے چین ہوتا ہے۔ کوئی مال و دولت کو دوست رکھتا ہے۔ وہ چھین جائیں یا ضائع ہو جائیں تو ایسا ہی غم کرتا ہے جیسا کہ دوسرے اپنے محبوب اولاد یا عزیز یا دوستوں کے فراق میں کرتے ہیں۔ ہمارے سب سے زیادہ محبوب یہ اولیاء اللہ ہیں جنکی محبت فطری ہونیکے علاوہ مامور بھی ہے۔ ہیں انکی جدائی اور انکی اذیت اور مظلومیت پر ہر حال میں غمگین و حزیں ہونا فطری ہے۔ ہم اسلئے انکا غم اور ماتم کرتے ہیں کہ وہ فنا ہو گئے اور زندہ جاوید نہیں ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ وہ ہم سے مظلومیت کے عالم میں جدا ہو گئے۔ اور اب ہم انکے قرب و وصال سے مہجور و محروم ہیں۔

اوروں کا غم

ہمارے یہی بھائی جو ہمیں شہدائے کربلا پر رونے سے مانع ہیں ہمارا مذاق اڑاتے اور استہزا کرتے ہیں اور خود شریک غم حسین نہ ہونے پر یہ عذر تراشتے ہیں کہ وہ بھی ان فطری جذبات سے خالی نہیں ہیں۔ کیا وہ کبھی اپنے کسی دوست کے فراق یا اسکی تکلیف و اذیت کو محسوس کرکے غمگین نہیں ہوتے یا انکی آنکھیں اپنے محبوبین کے فراق عارضی یا دائمی پر آنسو نہیں بہاتیں۔ ضرور بہاتی ہیں اور رات دن مشاہدہ ہوتا ہے فرق یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دنیاوی دوستوں دنیادار بزرگوں کے فراق کو محسوس کرتے ہیں۔ انکے غم میں روتے پیٹتے ہیں اور دولت دنیا یا ریاست و سیاست دنیا کے جانے پر خوب پیٹتے اور ماتم کرتے اور جلوس عزا نکالتے ہیں۔ مگر روحانی بزرگوں اور دینی محبوبوں پر ایسا نہیں کرتے۔ کیا انکے سلف جنکی تاسی یہ اپنا فخر سمجھتے ہیں اور جنکا اجماع ہی در اصل قتل حسینؑ اور تباہی آل رسول کا باعث ہو۔ وہ ان جذبات فطری سے اپنوں کے فراق میں خالی تھے اور کیا وہ بھی یہ نظریہ پیش نظر رکھتے تھے کہ مردوں پر رونا چاہیئے اور زندہ جاوید کا ماتم نہ کرنا چاہیئے۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں کون ایسا مسلمان کہہ سکتا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ زندہ جاوید نہیں ہیں۔ لیکن انکے وصال سے مدینہ طیبہ میں اصحاب رسول کے گھر میں کہرام مچ جاتا ہے شہر کا شہر لرز جاتا ہے۔ وضجت المدینۃ کیا ان اظہار غم رسول کرنے والوں میں ان کے بزرگان دین شریک نہ تھے۔ بظاہر ضرور شریک تھے حضرت عمر کے تو حواس درست نہ رہے تھے اور رنج و غم فی الحقیقت ایسی ہی چیز ہے۔ دماغ کو مختل کر دیتا ہے اور اہل دین اور اہل حق کا رونا پیٹنا وفات رسول پر اسلئے نہ تھا کہ معاذ اللہ رسولؐ ہلاک ہو گئے۔ اور وہ زندہ جاوید نہیں بلکہ اس رحمت الٰہی کے فراق پر دل بےچین اور اس لئے کہ اب وحی الٰہی کی برکتوں سے مسلمان محروم ہو گئے اور محبوب خدا کی ملاقات قرب و صحبت قیامت تک نصیب نہ ہوگی۔ فرض کر لیجئے کہ معاذ اللہ یہ لوگ رسول کو زندہ جاوید نہ جانتے ہوں کہ وہ بنی ہاشم تھا جن سے عداوت انکی فطرت میں شامل تھی۔ لیکن حضرت ابی بکر صدیق کے انتقال پر ملال پر غم و رنج کا اظہار کس بنا پر تھا۔ کیا جناب عائشہ باپ کے غم میں نہیں روئیں اور سر نہیں پیٹا۔ کیا اس لئے انکے اقربا و احباب نہ روتے اور غم کرتے تھے کہ وہ ان سے جدا ہو گئے؟ اور وہ ایک صاحب رسولؐ کی صحبت سے محروم۔ یا اسلئے رو رہے تھے کہ ابوبکر اپنی کرتوتوں پر خود غمگین تھے کہ ہائے ہائے میں نے کیا کیا۔ کاش کہ میں یہ نہ کرتا اور آج پیش آنے والا خوفناک منظر پیش نہ آتا۔ ہائے افسوس میں علیؑ کے گھر کو چھوڑ دیتا۔ اسکو آگ نہ لگواتا۔ دختر رسولؐ پر اسکا دروازہ نہ گروانا۔ خواہ علیؑ نے میرے خلاف اعلان جنگ ہی کیوں نہ کر دیا ہوتا (ابن قتیبہ تاریخ الخلفاء) ہائے سقیفہ ابو عبیدہ جراح یا عمر کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا۔ اور یہ خلافت کی بلا اپنی گردن پر نہ لیتا۔ اچھا حضرت ابوبکر شہید نہ تھے اور اسلئے زندہ جاوید نہ ہوئے۔ مگر برادران اسلامی کے نزدیک حضرت عمر تو ابو لولو کے خنجر آبدار سے شہید ہوئے اور زندہ جاوید پر رونا حرام۔ پھر اصحاب رسولؐ اور اصحاب عمر نے کیوں طوفان رنج و الم کیوں برپا کیا تھا گویا ہر فرد بشر ان کی وفات حسرت آیات پر رو رہا تھا۔

خرج ابن عباس فجعل لا یری ملاء من الناس الا وھم یبکون (ابن قتیبہ)

ابن عباس باہر نکل کر دیکھتے ہیں تو ہر گروہ کو گریہ و زاری میں مبتلا دیکھتے ہیں حضرت عائشہ واعمراہ واعمراہ کی فریاد کرتیں اور سر پیٹ پیٹ کر ماتم کرتی ہیں (روضۃ الاحباب وغیرہ) اور ان کی ازواج کے ماتم کی تو کوئی حد نہ تھی گھر میں کہرام برپا تھا۔ کیا یہ لوگ انکو ہلاک و فانی سمجھ کر رو رہے تھے۔ یا اس غم میں رو رہے تھے کہ وہ بھی بڑے صاحب کی طرح اپنی کرتوتوں پر آخری وقت میں نادم تھے۔ اور کہتے تھے کہ کاش مجھے عہد خلافت کی کارگذاریوں سے نجات مل جائے۔ اور میری وہی نیکیاں میرے لئے باقی رہ جائیں جو میں نے اسکا قلادہ گردن میں ڈالنے سے قبل صحبت رسولؐ میں حاصل کی تھیں (ابن قتیبہ تاریخ الخلفاء)

حضرت عثمان بن عفان۔ تمام مسلمانوں کی تلوار سے شہید ہوئے اور صحابی زادے حضرت محمد بن ابی بکر کی تلوار سے۔ انکی شہادت میں شبہ کیا ہے گویا وہ شہید مظلوم ہیں۔ اتنے پر تو مرنے کے بعد بھی ظلم ہوا کہ نعش ان کی حش کوکب میں پھینک دی گئی اور ایک ٹانگ کسی بدبخت کتے نے اٹھا لیا۔ انکے زندہ جاوید ہونے میں کسی مسلمان کو کیا شبہ ہو سکتا ہے مگر اس پر تو غضب کا ماتم ہوا وخرجت عائشۃ باکیۃ تقول قتل عثمان

تجلیات عرشی

(از جناب مولوی سید مجتبیٰ حسین صاحب عرشی جالسی مرحوم مترجم حیات القلوب و نور الابصار و حق الیقین وغیرہ میر منشی مہاراجہ وزیانگرم مدراس)

بیکس کا ہے غم بہاؤ ہر دم آنسو
ٹپکا کریں چشم تر سے پیہم آنسو
آنسو نہ کرو دریغ اے اہل عزا
شبیر کے زخموں کے ہیں مرہم آنسو

رحمہ اللہ علیہ فقال لہا عمار بالامس تحرضین علیہ الناس والیوم تبکیہ (ابن قتیبہ) حضرت عائشہ روتی پیٹتی باہر نکل آئیں اور کہتی تھیں ہائے ہائے عثمان مارا گیا خدا اسپر رحم کرے۔ عمار یاسر صحابی نے کہا اے عائشہ کل تو آپ انکے خلاف لوگوں کو بھڑکاتی تھیں اور آج اسپر رو رہی ہیں اور اسی واسطے کہا گیا ہے کہ حضرت عائشہ انکے قتل میں شریک ہیں۔

قال سعد بن ابی وقاص قتل عثمان بسیف سلتہ عائشہ وصقلہ طلحۃ

سعد ابن وقاص کہتے ہیں کہ عثمان اُس تلوار سے قتل ہوئے جس کو حضرت عائشہ نے کھینچا اور طلحہ نے صیقل کیا تھا۔

کیا یہ تمام اصحاب عثمان ان بزرگ پر اسلئے رو رہے تھے کہ انھوں نے دین کو متغیر کر دیا ہے اور شریعت کو بدل دیا تھا (ابن قتیبہ) اس کا انجام اچھا نظر نہیں آتا تھا۔ یا واقعاً اپنے اس محبوب خلیفہ اور صاحب رسول کے فراق دائمی اور انکی مظلومیت پر رو رہے تھے۔ آج بھی ہم ان ہی حسینؑ پر رونے سے منع کرنیوالے اصحاب کو حضرت عثمان کا غم مناتے دیکھتے ہیں۔ اور اسی طرح انکے بعد تمام سلاطین بنی امیہ و بنی عباس پر جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ نظریہ زندہ جاوید محض غم حسینؑ کیلئے تراشا گیا ہے۔ کہیں اور یہ کارفرما نہیں۔ غم تو یہ حضرات بھی کرتے ہیں مگر وہاں جہاں دنیا جاتی ہو دنیا کا دوست یا دنیا دار بزرگ اُٹھ جائے۔ معاویہ کا غم منایا جا سکتا ہے۔ مروان پر آنسو بہائے جا سکتے ہیں مہدی کو پیٹا جاتا ہے۔ ہارون پر ماتم کیا جائے۔ تمام شہر سیاہ پوش ہو جاتا ہے۔ کالے علم نکلتے ہیں اور دنیا تصویر غم نظر آتی ہے۔ آتا ترک کا غم منایا جا سکتا ہے مگر اولاد رسول کا غم بدعت۔ یہ اسلئے نہیں کہ یہ نظریہ درست ہے یا وہ سوائے شہدائے کربلا اور مظلوم سید الشہداؑ کے سوا کسی کو زندہ جاوید نہیں جانتے۔ بلکہ محض اسلئے کہ یزید کی محبت گوارا نہیں کرتی۔ کہ حسینؑ کا ماتم ہو اور غم منایا جائے۔ کیونکہ ایسا کرتے سے یزید رسوا ہوتا ہے اور یزید انکا پیشوا اور امام ہے۔ وہ بادشاہ شام تھا بلکہ بادشاہ عرب بن گیا تھا اور بادشاہت ہی انکے مذہب میں اصل امامت ہے۔ پس وہ انکا ہے اور اپنے اپنے کا ہر ایک کو پاس ہوتا ہے۔ اور اسکی رسوائی اپنی رسوائی سمجھی جاتی ہے اور گوارا نہیں ہو سکتی ورنہ یہ ایسے نافہم نہیں ہیں کہ زندہ جاوید کے یہ معنی سمجھتے ہوں کہ وہ دنیا سے اُٹھے ہی نہیں اور ہم سے جدا ہوئے نہیں یہ چشم بصیرت بلکہ چشم بصارت بھی احساس رکھتی ہے کہ حیات شہداء کے

حیات شہداء یہ معنی نہیں کہ وہ اسی طرح موجود ہیں جیسے کہ حیات اولی میں تھے حیات جاودانی در اصل یہ ہے کہ انکے آثار حیات باقی ہیں۔ اور اب بھی ان سے وہ ہی افعال تصرف ولایت صادر ہو سکتے ہیں اور یہ کہ انکا وہ کارنامہ زندہ ہے جو انسے تمام ہوا اور جسپر شہید ہوئے تبلیغ دین اسی طرح عمل حسینؑ سے جاری ہے اور اب وہ زندہ جاوید ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ جس نے اپنی جان اسکی راہ میں فنا کر دی اور اپنی ہستی کو اُس کے لئے مٹا دیا تو اسکو قرب و وصال، حی لایموت حاصل ہو گیا اور حی قیوم کی صفات کا وہ مظہر خاص بن گیا۔ اسکو زبان حکمت شرعی میں یوں بیان کیا گیا ہے جو خود زبان قدرت کا ارشاد ہے۔

یا ابن آدم ماخلقتک للفناء بل خلقتک للبقاء وانا حی لا اموت اطعنی فیما امرتک وانتہ عما نہیتک عنہ اجعلک مثلی حیا لاتموت وانا الذی اقول للشئ کن فیکون اطعنی فیما امرتک اجعلک مثلی اذا قلت لشئ کن فیکون۔

اے فرزند آدم میں نے تجھکو فنا کیلئے پیدا نہیں کیا میں نے تجھکو بقا کیلئے بنایا ہے اور میں حی لایموت ہوں تو جو کچھ کہ میں حکم دوں اُسپر عمل کر اور میری فرمانبرداری کر اور جس سے منع کروں اُس سے باز رہو۔ میں تجکو حیات ابدی دونگا اور پھر کبھی نہ مریگا اور میں ہی وہ قادر و مختار ہوں کہ جسکو کہتا ہوں کہ ہو جا ہو جاتی ہے تو میرا فرمانبردار ہو جا۔ تجکو میں ایسا ہی بنا دونگا کہ جب تو کسی شے کو کہیگا کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جائے گی۔

یعنی اطاعت کاملہ سے انسان مظہر حیات و قدرت قیوم بن جاتا ہے **اور یہ حیات جاودانی ہے**۔ جو فرمانبردار اور اطاعت گذار بندوں کو عالم آخرت میں حاصل ہوگی۔ وہ حیات ابدی پائیں گے اور جس چیز کو چاہیں گے وہ ہی اُنکے لئے فوراً آجائے گی۔ جو خواہش کرینگے وہ ہی فوراً پوری ہو جائیگی۔ شہداء کو مرنیکے بعد ہی عالم آخرت سے پہلے یہ حیات حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ حیات ابدی اُسیوقت سے حاصل کر لیتے ہیں اور یہ تصرف و قدرت حاصل ہو جاتی ہے جو ولایت کاملہ ہے کہ جس چیز کو چاہیں وہ ہی ہو جائے۔ اور اسی سلئے وہ ہر قسم کی امداد اپنے عاشقین و معتقدین کو پہنچا سکتے ہیں جس کام اور مدد کیلئے ان شہداء کو پکارا جائیگا وہ مدد کرینگے اور حوائج بر لائیں گے۔ کیونکہ کمال اطاعت اسکی راہ میں جان قربان کر دینا ہے۔ ان سے جان لینے کا قدرت نے عہد کیا ہے اور اسپر انکو مامور کیا ہے۔

ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ (الآیۃ) خداوند عالم نے مومنین کی جان و مال کو جنت کے بیعانہ پر خرید لیا ہے۔

اور جان و مال مومن خدا کا مال ہے جب وہ طلب کرے اسکو دینا واجب ہے۔ اگر دیدے تو مطیع و فرمانبردار ہے اور اگر نہ دے تو آثم کاذب خائن و غدار ہے۔ یوں سمجھئے کہ فنا جسم کیلئے ہے۔ کل من علیہا فان۔ موت نفس کیلئے ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت۔ ہلاکت ارواح کیلئے ہے۔ کل شئی ھالک الا وجہہ۔ صعق عقول قادسہ کیلئے ہے۔ وصعق من فی السموات والارض۔ ہماری موت ظاہری سے جسم فنا ہو جاتا ہے۔ اور نفس کا عمل بیکار۔ اب وہ بغیر آلات جسمانیہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اور قیامت تک اسکے لئے یہ حجاب حائل۔ ومن ورائہم برزخ الی یوم یبعثون۔ جو کچھ دنیا میں کر لیا کر لیا۔ اب کچھ نہیں قیامت تک کا حجاب ہے۔ کچھ نہیں کر سکتا۔ شہداء پر یہ موت نفسی طاری نہیں ہوتی وہ زندہ رہتے ہیں اور اسی طرح انکا نفس عاملہ۔ بلکہ اسکی قوت عمل و تصرف اور بڑھ جاتی ہے کہ وہ حیات و قدرت قیوم سے واصل ہو گیا ہے

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

اور معنی ہیں کہ اب وہ زندہ جاوید ہیں۔ اور بیشک ہیں۔

دوم ۔ شہید کے جسم کی قوت اصل (امزجی) میت کے جسم کی طرح زائل نہیں ہوتی بلکہ باقی رہتی ہے۔ اس لئے وہ بوسیدہ و فنا نہیں ہوتا قتل کے بعد قبر میں ہمیشہ ویسا ہی رہتا ہے۔ اب شہید کی قبر کھود کر دیکھی جائے تو اسکا جسم اسی طرح ملیگا جیسا کہ روز شہادت تھا۔ وہی زخم تازہ ہونگے اور اسی طرح خون ٹپکتا ہوا اور خواب میں جب انکو دیکھو گے تو بھی اکثر ایسی ہی شان سے دکھائی دیں گے حسینؑ شہید جب نظر آئیں گے۔ بے سر اعضا مقطوع۔ زخموں سے چور۔ حضرت عباسؑ جب نظر آئیں گے۔ ہاتھ شانوں سے جدا دکھائی دیں گے وقس علی ذالک۔ یہ ہے **حیات شہداء**۔ اور اس لئے وہ ہیں زندۂ جاوید اس سے یہ نتیجہ کسی طرح نہیں نکل سکتا کہ ایسوں پر غم و ماتم نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ برعکس ہمارے تصور میں انکی وہی صورت ہے جو وقت شہادت تھی وہ ہی مظلومیت وہ ہی خستگی۔ پھر غم تازہ ہوگا نہ فراموش۔ اور حقیقۃً اسی لئے یہ غم ہمیشہ تازہ رہتا ہے۔ یہ ہمارا اختیاری عمل نہیں بلکہ حقیقۃً۔ ان مظلوم زخمیوں کی

تازہ زخموں کا جبری اثر ہے جو ہمیں بیتاب و بے چین کر دیتا ہے۔

نیز وہ چونکہ زندہ ہیں اور جسم ان کے زندہ ہیں اس لئے وہ بھی اسی اذیت و تکلیف و ظلم کو محسوس کر رہے ہیں۔ وہ ہی حالت ان پر اب بھی اور ہمیشہ طاری ہے جو وقت شہادت تھی اور فطرۃً وہ اس سے متاذی اور محزون۔ اور دوست کا حزن و ملال اور غم و اذیت دوست کو بھی غمگین و محزون و متاذی بنا دیتی ہے۔ اس لئے یہ احساس غم و رنج و الم ہمارے احساس کے رنج و الم کو ہر وقت تازہ کرتا رہتا ہے۔ اور ہم انکا ماتم کرتے ہیں۔ بالکل ہمارا یہی نقشہ ہے۔

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا

جوں ہی ہمارا زخم دل بھرنے لگتا ہے۔ احساس تازہ زخم کو تازہ کر دیتا ہے۔ اور یہی بقاد بقاد غم حسینؑ کا باعث ہے۔ اسی لئے ہم ان زندہ جاوید ہستیوں کا ماتم کرتے ہیں اور جس کے قلب میں حب رسول۔ سینے میں دل۔ اور دل میں احساس ہے وہ ضرور کریگا۔ تمام مسلمانوں کو بھی کرنا چاہیئے۔ اور اگر نہیں کرتے تو ہمارے جذبات قلبی کو تو ذبح نہ کریں۔

کچھ شرم کریں روح پیمبر سے خدارا
بدعت نہ کہیں خیر اگر غم نہیں کرتے۔ (قیس)

اشکہائے خونیں

(نوشتہ عالیجناب سید محمد حسن احسن صاحب طباطبائی لکھنوی)

جاروب کش تربت بے شیر صبا ہے — کملایا ہوا پھول تہ خاک پڑا ہے
گہوارہ ہی سے جائے جو میدان وغا میں — ایسا بھی مجاہد کوئی دنیا میں ہوا ہے
یہ سینۂ اکبر پہ لگائی نہیں برچھی — ظالم نے دل سبط نبی خون کیا ہے
اے شمر لعیں بے ادبی کی کوئی حد ہے — یہ عرش کا تارا ہے جو گھوڑے سے گرا ہے
بے مثل ہے شبیرؑ کا انداز عبادت — گردن سر خنجر ہے تو لب محو دعا ہے
پردے کا چلن جس نے زمانے کو سکھایا — عترت اسی معصوم کی محتاج ردا ہے
اسلام کی تاریخ بہت سادہ تھی لیکن — خون شہدا نے اسے رنگین کیا ہے
اے شہ کے عزادار ترے جوش عزا سے (ق) — ماتم شہ بیکس کا زمانے میں بپا ہے
مظلوم تھے آقا یہ تجھے یاد ہے لیکن — حریت و ایثار کا بھی درس لیا ہے؟
بیشک تجھے الفت ہے حسین ابن علیؑ سے — گر عزم کا طوفاں ترے اشکوں میں چھپا ہے
شبیر نے سب کچھ رہ خالق میں لٹا کر — باطل کو مٹانے کا بھی پیغام دیا ہے

تعظیم بھی کرتا نہیں بیہوش ہے ایسا
احسن سر بالین ترے یہ کون کھڑا ہے



شریک بزم ماتم روح زہرا و پیمبر ہے

سلام

(نوشتہ عالیجناب سید لائق علی صاحب ہنر زیدی لکھنوی شاگرد خاندان آل میرؔ پوتا ان ہنر جناب نیرؔ مد ظلہ العالی)

دل شبیر میں کس درجہ شوق وصل داور ہے
تہ شمشیر [illegible] نعرہ اللہ اکبر ہے

اگر اہل نظر چشم بصیرت سے ذرا دیکھیں
تو ایماں کے عناصر میں ذات حیدر مثل گوہر ہے

ہے جس کے دل میں حب ساقی تسنیم اے شیعو
اسی کے واسطے جنت کا گھر اور حوض کوثر ہے

کبھی پانی پہ یوں قائم نہ رہتی کشتی عالم
علی کا گیارھواں فرزند اس کا ایک لنگر ہے

محبان علی تنہا نہیں روتے ہیں سرور کو
شریک بزم ماتم روح زہرا و پیمبر ہے

سر میدان شبیہ احمد مختار کیا آیا
زمین نینوا کا گوشہ گوشہ کیوں معطر ہے

کیا تاراج ایسا باغیوں نے گلشن زہرا
کہ ابتک رنج و غم سے چشم نرگس باغ میں تر ہے

پلا دو اے لعینو تھوڑا پانی تشنہ کاموں کو
کہ معصوموں کا اب سوز عطش سے حال مضطر ہے

رواج پردہ جب گھر سے نکلا آہ اے گردوں
اسی کی عترت اطہار اب محتاج چادر ہے

تباہی آگئی آل نبی پر ہائے یہ کیسی
برہنہ سر ہجوم عام میں [illegible] ہے

بن ساقی کوثر کو پلا دے بوند بھر پانی
لعیں شہ کا گلا ہے خشک اور آب خنجر ہے

نہ تھا کوئی بھی ایسا جو بن کاہل سے یہ کہتا
ارے کیا قابل تیر سہ شعبہ حلق اصغر ہے

لٹا کر اصغر بے شیر کو تربت میں شہ بولے
زمین نینوا تیرے حوالے جان مادر ہے

ہزاروں شیعہ سرور کی زیارت کرکے پھر آئے ہنر پہونچا نہیں ابتک کہ برگشتہ مقدر ہے

حسین علیہ السلام کیا تھے؟

نوشتہ عالیجناب سید محمد عاقل صاحب رضوی ہلوری

حسین ایک مصلح تھے۔ حریت کے علمبردار تھے سیاسیات کے ماہر تھے۔ صلح و آشتی کے پیغامبر تھے اخلاق و نیکی کے پیشوا تھے۔ ان کی ذات دنیا کے لئے ایک راز تھی۔ وہ ایک آئینہ تھے جس میں ہر ممکن خوبی کے جوہر نمایاں ہوتے رہتے تھے۔ شجاعت کا وہ مجسمہ تھے رضا جوئی حق کی وہ مکمل تصویر تھے وہ ایک ایسی ذات تھے جس کے پہچاننے میں دھوکے پر دھوکے ہوئے۔ کہنے کو وہ انسان تھے اور انسانی جامہ میں آئے۔ مگر حقیقتاً وہ روحانیت کا تاج تھے عرفان کی منزل تھے یا یوں کہئے کہ وہ فہم انسانی سے بالاتر ہے۔

کسی سیاسی رہنما کو لیجئے۔ ماہر اقتصادیات پر نظر ڈالئے علوم جدیدہ کے ماہر کامل کو پرکھئے —— اس کی زندگی کا وہی پہلو زیادہ درخشاں نظر آئے گا جس میں اس نے مہارت پیدا کی ہے۔ اچھے سے اچھا ریاضی دان اکثر و بیشتر زندگی کے روزمرہ کے امور سے بے بہرہ ہوتا ہے۔ سائنس کا دعویدار جو ممکن ہے کہ وہ ایک منٹ کے لئے مینڈک کے جسم میں اپنے علم کی معجز نمائی کا مظاہرہ کرنے کے لئے روح پھونک دے، لیکن سیاست اور تدبیر ملکی میں غالباً اتنا کام نہ کر سکے جتنا کہ انکشافات جدیدہ میں۔ اسی طرح اور لوگوں پر بھی قیاس کر لیجئے۔ لیکن حسینؑ بیک وقت سیاست، معاشرت، تمدن اور صلح و آشتی کے دیوتا تھے۔ دنیا نے ان کی قدر نہ کی۔ وہ جاہ و منصب کے بھوکے نہ تھے۔ ان پر طمع دنیاوی اثرانداز نہ تھی۔ وہ دنیا کو ورلے کر آئے تھے۔ وہ رسول عربی کی محنت رائگاں نہ کرنا چاہتے تھے۔ وہ وحدت کو کثرت میں تقسیم ہوتا نہیں دیکھنا چاہتے تھے اگرچہ دنیا داروں نے زیادہ تعداد میں ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا مگر اب بھی عقیدت مندوں کی ایک معتدبہ تعداد ایسی موجود تھی جو ان کی صدا پر لبیک کہتی ان کی معیت میں لوگ آتے اور جان پر کھیل جاتے۔ یہی وہ خلش تھی جو معاندین دین کو چین سے سونے نہ دیتی۔ اسی طاقت کو توڑنے کے لئے اجتماع کیا گیا۔ اسی قوت کو کمزور کرنے کے لئے حاکم شام نے دین میں رخنے پیدا کئے۔ مگر حسین علیہ السلام چاہتے تھے کہ اسلام بربریت سے پاک رہے۔ وہ تعلیمات اسلامی کا نشر چاہتے تھے انھیں اپنا گھر بار لٹا دینے میں عار نہ تھا۔ ان اسلامی مقاصد کو پس پشت ڈالا جانا گوارا نہ تھا۔

ابتدائے زندگی سے لیکر حیات کے آخری لمحوں تک کا جائزہ لیجئے۔ آپ کو انوکھے مناظر نظر آئیں گے۔ کبھی ناز و نعم کی وہ تصویر دل میں گھر کرے گی جب رسول اسلام ان کے لئے ناقہ بنے ہوئے تھے۔ کلمہ گویوں کی بڑھتی ہوئی تعداد داد عقیدت بندی دے رہی تھی۔ مال غنیمت کی تقسیم ہوتی تھی ہمسایہ تک پر نظر عاطفت ڈالی جاتی تھی مگر کیا کبھی ان کے طرز بود و ماند میں فرق آیا۔ کیا کبھی ان کی تن آسانیوں میں دولت کی قربانی ہوئی۔ ایسے ماحول میں پلنے والی ذات کہ نانا دین و دنیا کا بادشاہ باپ بر سر حکومت مگر سوا فاقہ اور اصلاح قوم میں سب کچھ دے دینے کے عیش و عشرت کا دھندلا نقش بھی نظر آیا۔ غالباً تاریخ نفی ہی میں جواب دے۔

باپ کو اگر کچھ مل گیا تو غریبوں۔ یتیموں۔ بیواؤں کی پرورش میں ایسا لٹا دیتے کہ گھر میں فاقہ کی نوبت آتی۔ کیا ان حالات میں گزر کرنے والا باوجود مقدرت غریبوں کی امداد میں صرف کرنے والا۔ دنیا کی طمع میں اندھا ہو سکتا ہے پھر بیٹے پر تو تقلید کا اثر ہوتا ہی ہے۔ بیٹا بھی وہ جو روحانیت میں روحانی تعلیمات میں برابر کا درجہ رکھتا ہو۔ انہیں ہستیوں کا جس پر پرتو پڑا ہو۔ مگر افسوس عامی اسے نہ سمجھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کا خون بہانے میں دریغ نہ کیا گیا۔ یزید تو حکومت کا بھوکا تھا ہی۔ ان لوگوں پر رونا آتا ہے جنھوں نے چند درہموں کے لالچ میں اس کی شیطانی خواہشات کی تکمیل کی اور نواسہ رسول پر تلواریں اٹھالیں۔ وہ مال کی طمع میں کچھ نہ سمجھے کہ کیا کر رہے ہیں اور انھوں نے کچھ نہ غور کیا کہ جس پر شمشیریں تیز کی جا رہی تھیں وہ کس جذبہ کے ماتحت قلیل تعداد میں بھی گھرا ہوا تھا۔

سیاست کا مسئلہ ایک قصہ پارینہ ہے۔ دنیا آج اس قصہ کو تازہ کر رہی ہے۔ مختلف سیاستوں کی نغمہ سرائی کرتی ہے۔ کبھی کسی خلافت کی سیاست کے راگ الاپے جا رہے ہیں کبھی کسی کی چالوں کو سیاست قرار دے کر سراہا جاتا ہے۔ برطانوی و یورپی سیاست کی تعریفیں ہوتی ہیں۔ مگر حسین سیاست کو دیکھئے

اپنے اندر ایک طوفان انقلاب پوشیدہ رکھتی ہے سیاست کے مفہوم سمجھنے میں لوگوں نے دھوکا کھایا۔ ہر ممکن چیز کو سونا سمجھ لیا مکاری اور عیاری کو سیاست کے قالب میں دیکھتے ہوئے بھی اس پر ایمان لے آئے ورنہ قرون اولیٰ کی سیاست تو وہی سیاست ہے جس نے خاندان نبی ہاشم کی طاقت کے شیرازہ کو منتشر کر دیا۔ رسول اسلام کی معرفت سے بھری ہوئی باتوں کو ٹھکرا دیا۔ انھیں بولنے نہ دیا جس سے بعد رسول فوراً ہی افتراق و انتشار کی بنیاد ہمیشہ کے لئے پختہ ہو گئی سنتے ہیں کہ نقش اول سے نقش ثانی زیادہ ابھرتا ہے۔ شاید اسی کے ماتحت حاکم شام کی خفیہ ریشہ دوانیاں سیاست کا اہم سبق بن گئیں۔ جسمیں بلا قصور برگزیدگان خدا کی جانیں تلف کر دی گئیں جن سے روحانیت کا سبق ملتا۔ جو وحدانیت کا صحیح اور سچا پیغام دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلاتے۔ عہد ماضی میں اس سیاست کی مدح سرائی تو ان لوگوں نے کی جن کے دامن سکون سے پُر کئے گئے تھے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا آج دنیا کیوں اس پر مہر تصدیق لگاتی ہے۔ جبکہ عقل و فراست کا زمانہ ہے کھوٹے کھرے کے پرکھنے کا زمانہ ہے۔ اندھی تقلید توڑ دینے کا زمانہ ہے۔ کوئی اس عقیدت مندی کے لئے خزانۂ عامرہ کا منھ نہیں کھولتا۔ رہی زمانۂ حاضرہ کی سیاست بالخصوص یورپ والوں کی چالیں وہ تو ظاہر ہی ہیں۔ ایک ملک کی آزادی کو اپنے ذاتی اغراض کی حفاظت کے لئے بھینٹ چڑھا دینا۔ ایک زبردست طاقت کی ٹکر سے بچنے کے لئے حریت سوز اقدام جس پر فوراً ہی نفرت کی جائے لیڈروں کا جمگھٹ کرنا اور اسے صلح کانفرنس کہنا یہی سیاست ہے آئیے اس سے بالاتر سیاست کا سبق لیجئے۔

سیاست جسمیں خودداری کا پاس ہو۔ امن عامہ خطرہ سے بچ جائے۔ وہی سیاست ہے۔ بندگان خدا کا خون بہتے بہتے بچ جائے۔ اور خیر بھی نہ ہو یہ سیاست دیکھنی ہو تو حسینؑ کو دیکھو اور کعبہ کے منظر پر نظر ڈالو۔ یزیدی کارکن خون حسینؑ کے لئے مشورے کر چکے تھے۔ حاجیوں کے لباس میں طواف خانۂ کعبہ کے لئے آ چکے تھے ان لمحات کا انتظار تھا اور شدید انتظار کہ نواسۂ رسول غافل ہو اور کفر نواز تلوار گلے پر چل جائے اس واقعہ سے اگرچہ یزید کا راستہ صاف ہو جاتا مگر خانۂ کعبہ کا احترام جاتا رہتا اقصائے عالم سے آئے ہوئے مسلمانان اپنے اپنے ساتھ اسلام کا وہ مذموم کارنامہ لیکے جاتے جسکا اثر نسلاً بعد نسل پڑتا رہتا۔ انصاف پسند دل کو ایسے متبرک مقام سے نفرت ہو جاتی۔ کچھ لوگ تو یہ سمجھتے کہ جب نواسۂ رسول کا خون بہا دیا گیا تو معمولی لوگوں کا خدا حافظ ایسے مقام سے پرہیز کرو۔ شدہ شدہ ایسا اثر پھیلتا کہ حج کو فرشتگان رحمت آتے تو آتے ورنہ انسانوں کی صورت تو نظر نہ آتی۔

دوسری بات یہ ہوتی کہ لوگ انتظام کے فوری جذبہ سے مشتعل ہو کر آپس کے کشت و خون پر اتر آتے۔ بہت ممکن تھا کہ وہ ہلڑ مچا کر گنہگار اور بے گناہ کسی کے خون میں امتیاز نہ ہوتا۔

اسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ آیندہ سے جان کے خطرہ کا یہ لرزہ بر اندام منظر دیکھکر یہ فریضۂ اسلام ترک کر دیتے۔ یا اس موقع سے فائدہ اٹھاکر آپس میں خلش رکھنے والے اپنے دشمن کے ساتھ حج کا حیلہ کر کے آتے اور عین طواف کعبہ کے وقت دیرینہ خلش نکالی جاتی۔ جسکے نتیجہ میں وہی بے حرمتی اور عام نفرت ہوتی۔ ہر حالت میں ملک عرب کی اقتصادی حالت پر بڑا دھکا لگتا۔ اسلامی اخوت کمزور ہو جاتی۔ ہم ملک ملک کے بھائیوں سے نہ مل سکتے۔ عرب والوں کی منفعت کا راستہ مسدود ہو جاتا۔ قتل و خون کا مادہ بڑھ جاتا اور پھر تبلیغ اسلامی کی رفتار سست پڑ جاتی۔ ان مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے حسین علیہ السلام نے حج کو عمرہ سے بدلا اور بلا ادائے حج چل کھڑے ہوئے۔ یہ تھی حسین کی ادنیٰ سیاست جس نے ایک فتنۂ عظیم کو رد کر دیا۔

حسین جانتے تھے کہ اسلام جبر و استبداد کا خاتمہ کرنے آیا ہے اسلام آزادی کا سبق دیتا ہے اسلام مساوات کا حامی ہے اسلام ایک عالمگیر برادری کا نام ہے۔ اسلام زمانہ بھر کی نجات کا ضامن ہے۔ اخلاقی پستی کو دور کرنا۔ پیدا کرنے والے کو اصلی رنگ میں پہچاننا۔ اسلام کا بنیادی اصول ہے۔ تزکیۂ نفس کے بجائے لباس و جسم کی صفائی ہمسایہ پروری کے بجائے نفس پروری اور عیش پرستی اسلام کے منافی تھی۔ یہی وہ چیز تھی جو معاویہ کے نالائق بیٹے یزید کا جزو زندگی بن رہی تھی۔ ان حالات میں یزید کی بیعت کے معنی اس کے مطالبات کو تسلیم کرنا اور اس کے عمل پر مہر تصدیق لگانا تھا اگر حسین علیہ السلام بیعت کر لیتے تو یقیناً جان بچ جاتی۔ اگر چاہتے تو مال بھی مل جاتا مگر دوسرے لوگ غلامی کی ناقابل شکست زنجیر میں ہمیشہ کے لئے بندھ جاتے آزادی ان سے چھن جاتی حقانیت کی ایک آواز بھی نہ اٹھا سکتے یزید کا عمل اسلام کا عمل اس کا فعل اسلام کا فعل و قول ہو جاتا۔

حسین نے انکار بیعت کر کے مختصر اعزہ و انصار کو خدا کی راہ میں بھینٹ چڑھا کے۔ اپنا گھر بار لٹا کے حق کو قائم رکھا۔ یہ خاموش ستیہ گرہ جاری رہی وہ نہ رہ سکے۔ مگر آزادی اور حریت پروری کا وہ نقش چھوڑا جس پہ نہ صرف اسلامیان عالم بلکہ دیگر اقوام بھی چل کر اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتی ہیں۔ آزادی حاصل کرتی ہیں ناحق کا سد باب ہوتا ہے۔

حسن کی زندگی کا ہر لمحہ صاحبان بصیرت کے لئے معرفت کا ایک باب تھا۔ اگرچہ وہ ایک اشجع باپ کے بیٹے تھے خود بھی فن جنگ

میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ مگر صلح و آشتی کا اکمل نمونہ مدے گئے کعبہ سے چلنے کے بعد وہ اپنے بہی خواہان کو ساتھ لے سکتے تھے۔ اعزہ میں ایسے لوگ پیچھے چھوڑے جو نبرد آزما تھے۔ لڑائی میں داد شجاعت دے سکتے تھے مگر انھیں ساتھ نہ لیا۔ دوسرے احباب کو نہ بلایا۔ حالانکہ خطرہ کے وقت ایک ایک کی تلاش ہوتی ہے۔ برخلاف اسکے کربلا میں پہونچکر ایک عام تعزیر فرمائی۔ جسکا ماحصل تھا:-

"وائے لوگو ہمیں مال غنیمت کی امید نہیں ہے۔ حق و باطل کی لڑائی ہے۔ تم میں سے جسکا جی چاہے چلا جائے۔ دشمنوں کو تو حسین کے خون سے مطلب ہے"

پھر دوسرے دن مجمع عام میں بعد حمد خدا۔ نعت رسول۔ احکامات اسلامی بتلائے۔ بندگان خدا کے خون سے ڈرایا اور چاہا کہ درگذر ہوجائے شب بھر کی مہلت لی تاکہ سوچیں سمجھیں اور دشمن اب بھی نادم ہوجائیں ایک ایک آدمی لڑنے کو بھیجا تاکہ اس درمیان میں ہوش آجائے اور منکرین خدا سمجھ جائیں کیا صلح و آشتی کی اس سے بڑھکر مثال مل سکتی ہے۔ کربلا کا میدان درسگاہ ہے۔ اس سے جتنا سبق چاہو لے لو۔

غرض حسین کیا تھے؟ انھیں سمجھنے میں دنیا حیران ہے۔ جو اکیلا رہ گیا ہے خاندان تباہ ہوگیا ہو۔ معمولی سی بیعت پر امن مل سکتا ہو مگر سب کو ٹھکرا دے وہ انسان نہ تھا وہ وہ تھا جو انسان کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔

مٹ رہی ہے آہ تصویر پیمبر دھوپ میں

(نتیجۂ فکر بلند جناب سید واجد حسین صاحب رضوی مطہر مشہدی کربلائی)

یکہ و تنہا کھڑے ہیں شاہ مضطر دھوپ میں
کھاتے ہیں تیغ سنان و تیر و خنجر دھوپ میں

دستگیری کیجیے مشکلشائے دوجہاں
جھومتے ہیں ضعف سے سبط پیمبر دھوپ میں

قبر اصغرؑ پہ یہ بانو نے کہا سر پیٹ کر
نیند آئے گی تجھے اے لال کیونکر دھوپ میں

تیغ جب اکبرؑ نے کھینچی سب کے سایہ نے کہا
حملہ ور ہے آج ہمشکل پیمبر دھوپ میں

خیمۂ سرور جلا کر قید عابدؑ کو کیا
چھینتے ہیں اب لعیں زینبؑ کی چادر دھوپ میں

کہتی تھی بانو مدد کو آؤ اے شاہ نجف
مٹ رہی ہے آہ تصویر پیمبر دھوپ میں

کہہ کے یہ زینب برہنہ سر چلی مقتل کی سمت
ہائے میں خیمہ کے اندر اور برادر دھوپ میں

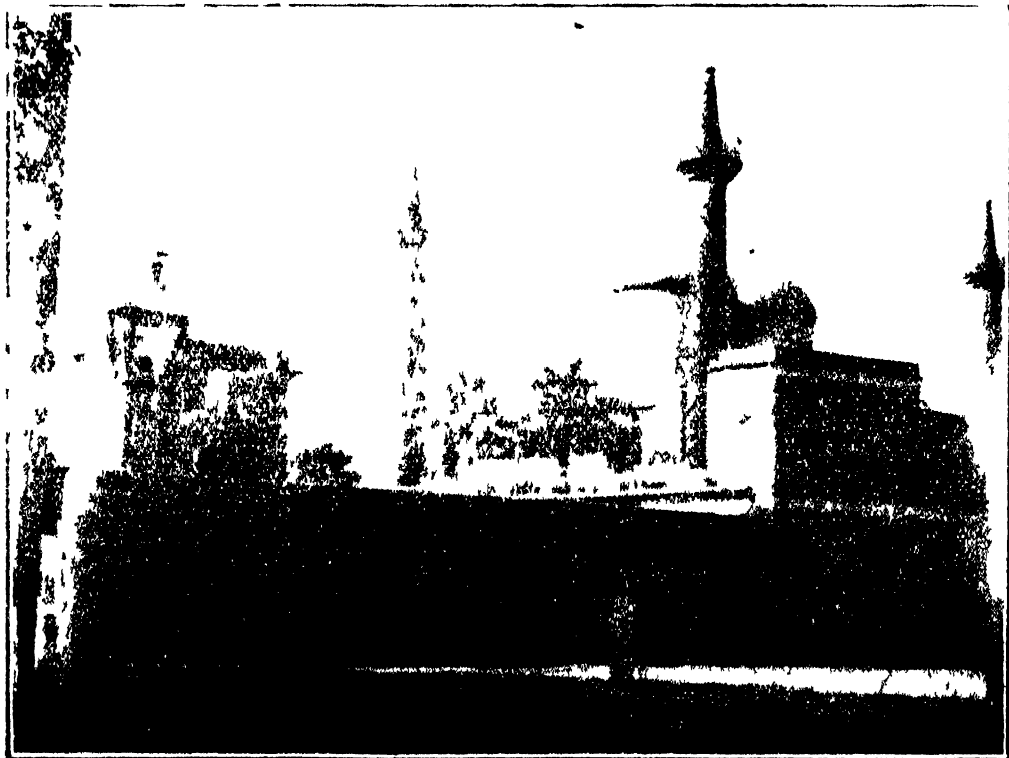
تیر گردن سے نکالا خون چہرہ پر ملا
اب بناتے ہیں شہ دیں قبر اصغرؑ دھوپ میں

سینہ اقدس پہ قاتل۔ ناوکوں پر جسم شاہ
ہے سر سبط پیمبر زیر خنجر دھوپ میں

روضۂ سرور کے ہر ذرہ میں سمجھا میں مطہر
ضو فشاں ہے خاک پر مہر منور دھوپ میں



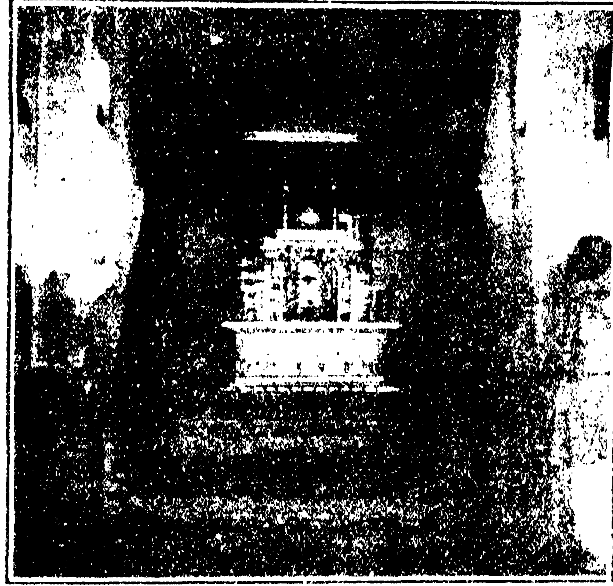
[illegible]



روضہ کاظمین لکھنؤ



روضہ جنت البقیع لکھنؤ



امامباڑہ غفرانمآب اعلی اللہ مقامہ
وہ ضریح جو نقشدار و بیجور دار قبلہ نے امامباڑہ کو
ہدیہ فرمائی ہے



امام باڑہ ناظم صاحب مرحوم

کیا حسینؑ معاذ اللہ باغی تھے؟

(نوشتہ عالیجناب ڈاکٹر مولانا اعجاز حسین صاحب سابق متولی وقف ہوگلی)

حسینؑ کے نام کے ساتھ ایک دنیائے تاریخ وابستہ ہے۔ نام حسینؑ لینے کے ساتھ تمام اسلامی تاریخ شروع سے آخر تک انسان کے سامنے آجاتی ہے۔ کون حسینؑ علیؑ و فاطمہؑ کا بیٹا۔ محمد مصطفےٰؐ بانی اسلام کا نواسہ وہ حسینؑ جس نے اپنے نانا کے لائے ہوئے دین کی حفاظت میں اور خاندان کی عزت و آبرو بچانے میں اور نبی نوع انسان کو ظلم و شیطنت کے پنجہ سے چھڑانے میں کسی عزیز سے عزیز شے تک کے قربانی میں دریغ نہیں کیا۔ اور ساری دنیا کے لئے ایک معلم اخلاق بن گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حسینؑ نے یزید کے خلاف بغاوت کی۔ ہاں میں اقرار کرتا ہوں کہ اگر ایک ظالم و غاصب کے خلاف اٹھنے کا نام بغاوت ہے تو حسینؑ نے ضرور یزید کے خلاف بغاوت کی اور یہ بغاوت حق بجانب تھی۔ اس بغاوت سے حسینؑ نے نہ صرف اپنے نانا کے لائے ہوئے دین پر احسان کیا بلکہ انسانیت پر احسان کیا۔ حسینؑ کی بغاوت یزید سے نہ تھی بلکہ ایک سراپا نیکی کی بغاوت سراپا بدی سے تھی۔ جس طرح حسینؑ ایک مجسمہ شرافت و طہارت تھے اسی طرح یزید خرافات مجسم تھا۔ یہ حسن تھے وہ قبیح۔ یہ عدل وہ ظلم۔ یہ شریف وہ رذیل۔ یہ معلم اخلاق وہ مخرب اخلاق۔ یہ سچے وہ جھوٹا۔ یہ نور وہ ظلمت۔

گر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو بغاوت کہنا درست نہیں ہے اسلئے کہ بغاوت نام ہے کسی باقاعدہ اور جائز گورنمنٹ کے خلاف ناحق اٹھنے کا۔ یزید کی گورنمنٹ کسی قاعدہ سے باقاعدہ اور جائز گورنمنٹ ہو نہیں سکتی۔ قطع نظر تمام پچھلے تاریخی واقعات کے بھی صرف حسنؑ و معاویہ کا صلح نامہ دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ معاویہ کے بعد سلطنت حسینؑ کی تھی اور معاویہ کو حق نہ تھا کہ یزید کا نامینیشن کرتا۔ اس طرح اگر تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیا جائے کہ یزید کی سلطنت ظلم و شیطنت سے پاک بھی ہوتی جب بھی حسینؑ اگر اپنے حق کا دعویٰ بلند کرتے تو اسکو صحیح معنوں میں بغاوت نہیں کہا جا سکتا تھا۔ کیونکہ سلطنت درحقیقت حسینؑ کی تھی اور اپنا جائز حق لینے کے لئے اگر انسان کھڑا ہو تو اسکو بغاوت نہیں کہا جا سکتا۔ حالانکہ واقعات اسکے خلاف ہیں اور تاریخ گواہی دے گی کہ یزید کی سلطنت ایک شیطانی گورنمنٹ تھی اور حسینؑ جیسے انسانی فرشتہ کے لئے اس منحوس حکومت کو برباد کرنا لازم تھا۔ لہذا صاف معلوم ہوا کہ درحقیقت یزید باغی تھا نہ کہ حسینؑ۔ حسینؑ ہی کو حق تھا کہ اپنے نانا کے دین کو چلاتے۔ اس پیکر انسانیت و اخلاق ہی کے لئے زیبا تھا کہ نبی نوع انسان پر حکومت کرتا۔ محمدؐ کے نواسہ اور علیؑ کے بیٹے کے علاوہ کس کو حق پہنچ سکتا تھا کہ انسانی زندگی و موت کے مکمل قانون کا محافظ ہو سکے جس کا نفاذ اُس کے نانا نے اُس کی نانی کی دولت اور اُس کے باپ کی قوت کے بل بوتہ پر کیا تھا۔ اے ظلم کے خلاف بغاوت کرنیوالے حسینؑ اے ساری دنیا کے معلم حسینؑ اے اخلاق کے سنوارنے والے حسینؑ اے سچائی کے دلدادہ حسینؑ اے جھوٹ سے نفرت کرنے والے حسینؑ اے اسلام کی قربان گاہ پر علی اصغرؑ تک کی قربانی پیش کرنے والے حسینؑ! باغی حسینؑ!! تجھ پر سارے جہان کا سلام۔!!!

سلام

از

(فصاحت جنگ داغ مرحوم)

ہائے یوں پیاس میں مانگے علی اصغر پانی
آب پیکاں سے ملے بوند برابر پانی

رن میں جب پہونچے نہ تا آل پیمبر پانی
عرق شرم میں کیوں کر نہ رہے تر پانی

قحط پانی کا ہوا آل نبی پر ایسا
ہو گیا خشک عناصر میں بھی یکسر پانی

ہو لی تقدیر بلا پوچھے کسے لیجا کر
چلے عباس جو مشکیزہ میں بھر کر پانی

شاہ کی تشنہ لبی یاد جو آئی اسوقت
پھینکا عباس نے چلو میں اٹھا کر پانی

وائے تقدیر بہا خون کا دریا ان میں
مانگتے تھے جو بہتر سے بہتر ۷۲ پانی

اشقیا سب ہوئے فی النار برس ہی دن میں
حشر سے پہلے سزائیں تھیں مقرر پانی

العطش سب کی زباں پر تھا مگر دے نہ سکا
باپ بیٹے کو برادر کو برادر پانی

آبرو خاک ہو دنیا میں تری نہر فرات
آل احمد کو دیا تو نے نہ بڑھ کر پانی

بچے رو رو کے کریں اپنا لہو پانی ایک
اور ترسائیں لعیں ان کو دکھا کر پانی

چشم نقش کف پا میں بھی تو آنسو بھر آئیں
خاک پر گر کے جو مانگے علی اصغر پانی

یہ بھی ہمراہ اگر آل نبی کے ہوتے
خضر و الیاس کو ہوتا نہ میسر پانی

موج سمجھو نہ اسے تشنہ لبی پر اپنی
پھیرتا اپنے گلے پر ہے جو خنجر پانی

یہ دعا داغ کی ہے میں نہ رہوں تشنہ دہن
مجھکو دیں ساقیِ کوثر لب کوثر پانی

جذبات ولا

(جناب احسنؔ مارہروی مدظلہ)

نہ سنیئے داستانیں کربلا کے غمگساروں کی دہل جائیں گے دل سن سن کے آہیں بیقراروں کی
اُبل آئی ہیں روتے روتے آنکھیں دلفگاروں کی نہیں اشک رواں دو چادریں ہیں آبشاروں کی
یہ شکلیں ہیں حسینؑ ابن علیؑ کے سوگواروں کی

لڑائی میں ہوا کرتا ہے یہ انصاف مستحسن کہ ہوں دونوں طرف یکساں سوار و نیزہ و توسن
مگر ایسا توازن کربلا ہی میں نہ تھا قطعاً اِدھر نام خدا شبیرؑ کے ساتھی بہتر تن
اُدھر لعنت پہ شیطاں تھی صف آرائی ہزاروں کی

ہوا کرتی ہے جس کا نام لیکر حل ہر اک مشکل تعجب کیا ہے ناقص کو بنا دے وہ اگر کامل
کیا پستی کی قسمت نے بلندی کا شرف حاصل رفیقوں کو لئے پہونچے جو شاہ آسماں منزل
سواد شام میں پھیلیں ضیائیں چاند تاروں کی

بہ دل مائل تھے صلح و آشتی پر سبط پیغمبرؐ مگر راضی نہ ہوتا تھا کوئی بدبیں و بداختر
مکدر ہو رہی تھی سرزمین شام سرتاسر صفائے قلب کی صورت نظر آتی کوئی کیونکر
کہ دیواریں تھیں حائل ہر طرف دل کے غباروں کی

در سبط نبیؐ کی خاک اکسیر ہدایت تھی نہ ہے تقدیر اُس سر کی جسے حاصل یہ دولت تھی
عجب معجز نما شبیرؑ کی شان کرامت تھی حبیب ابن مظاہر اور حرؔ کی کیا حقیقت تھی
ہوئیں شہ کی بدولت مفخرتیں ان نامداروں کی

امام وقت کا فیض ہدایت تھا گراں مایا ہما پایہ ہوا وہ جس پر اُن کا پڑ گیا سایا
مگر اعدا کی بدبختی نے ایسا انکو تھپکایا نہ چونکے حضرت شبیرؑ نے ہرچند چونکایا
عجب سوتی ہوئی تقدیر تھی غفلت شعاروں کی

اُٹھائیں ہائے مظلوموں نے کیا کیا سختیاں بن میں نہ کفنائے گئے بیکس نہ رکھا انکو مدفن میں
نمایاں تھا اندھیرا آہ ہر سو روز روشن میں نظر آتی تھیں لاشیں جس قدر پھیلی ہوئی رن میں
گذرگاہیں بنی تھیں وہ پیادوں کی سواروں کی

نتیجہ کیا جو دو دن کے لئے دل شاد ہو جاتا بُرا ہوتا اگر وہ بانی بیداد ہو جاتا
ہوا خواہ شہ دیں کس لئے برباد ہو جاتا نہ کیوں ایمائے فطرت پاکے حرؔ آزاد ہو جاتا
ہوا کرتی ہے کافی ذی خرد کو بات اشاروں کی

اسیران وفا اہل جفا کے ظلم سہتے ہیں مگر وہ آہ کرتے ہیں نہ آنسو انکے بہتے ہیں
انہیں کے واسطے الفاظ قرآنی یہ کہتے ہیں شہیدان رہ حق قتل ہو کر زندہ رہتے ہیں
کفن کی ان کو پروا ہے نہ حاجت ہے مزاروں کی

روایات و رسوم کہنہ سے جو لوگ بدظن ہیں وسیع المشربی ان میں نہیں کوتاہ دامن ہیں
حقیقت بیں نگاہوں پر حقائق یہ مبرہن ہیں محرم کی عزاداری میں نتائج جتنی احسنؔ ہیں
غم سبط نبیؐ بنیاد ہے ان یادگاروں کی

۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کا واقعہ

شاہ است حسین و بادشاہ است حسین
دین است حسین و دین پناہ است حسین
سر داد و نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

شہادت حسین بقاء اسلام کا سبب ہے

نوشتہ جناب مولانا سید ضیاء الحسن صاحب عبقاتی

تباہ کر دیا سادات کے گھرانوں کو

نتیجۂ فکر بلند جناب شبیہ زیدی صاحب حیدرآباد

شقی بچا نہ سکے تیغ شہ سے جانوں کو
مکین جسم چلے چھوڑ کر مکانوں کو

پتہ ہے کنہ حقیقت کا راز دانوں کو
فقط زبان مشیت کے ترجمانوں کو

پیا نہ اسپ علمدار شہ نے قطرۂ آب
یہ پاس آل محمد تھا بے زبانوں کو

عدوئے آل نبی نے ستم کئے ایسے
تباہ کر دیا سادات کے گھرانوں کو

وہ دھوپ اور وہ گرمی تھی روز عاشورہ
سمند بھی تھے نکالے ہوئے زبانوں کو

نہ آہ کرتے تھے قیدی نہ رونے پاتے تھے
یہ سامنا تھا مصیبت کا خستہ جانوں کو

گہر سکینہ کے لیتے تھے چھین لیتا،
غضب ہے شمر نے زخمی کیا تھا کانوں کو

زبان کفر سے نکلا جو زشت کا کلمہ
مزہ چکھا دیا حیدر نے بدزبانوں کو

گریں حسین کے بچے گریں چلو تم تیز
یہ حکم عام لکھا ہے ساربانوں کو

چلے جو حضرت عباس نہر کی جانب
پسینہ موت کا آیا نگاہبانوں کو

ان چار مصرعوں میں واقعۂ کربلا کے متعلق کیا کیا نہیں ہے امام حسین علیہ السلام کی ولادت بلکہ خلقت آدم سے لیکر بعثت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اور بعثت سے وفات امام حسن علیہ السلام تک حضرت کا مدینہ سے مکہ تشریف لیجانا وہاں بھی چین نہ پانا حرمت حرم خدا کے خیال سے طرف عراق روانہ ہونا محمد حنفیہ کا روکنا حر سے ملاقات ورود کربلا واقعات شب عاشور صبح عاشور اصحاب وانصار کا قتل ہونا خود درجۂ شہادت پر فائز ہونا اہلحرم کی اسیری۔ رہائی کیا نہیں ہے جو ان چار مصرعوں میں نہیں ہے بلکہ آج تک بقاء اسلام مسلمانوں کی ترقی انکا تنزل سب کچھ ہے۔

حسین کی شہادت وہ کرشمہ ہے وہ حادثہ ہے وہ واقعہ ہے وہ معجزہ ہے کہ جسکا کوئی ایک مقصد معین نہیں کرسکتا مقصد حقیقی تو بقاء اسلام ہے مگر ذرا نظر دوڑائیے تو آپ کو کیا کیا نظر آئے گا دنیائے صبر پہ نظر کیجیے تو حسین کا معیار صبر ہی جدا ہے مگر خوبی یہ ہے کہ صبر حد انسانیت کے اندر ہے اسلئے کہ اگر عادت انسانی کے باہر کوئی صفت ہو تو وہ اتنی ممدوح نہیں جتنی کہ حدود انسانیت اور آدمیت اور قوت انسانی کے اندر رہکر عام انسانوں سے ممدوح کو بلند کرے۔

اسی لئے امام حسین علیہ السلام کے بعض اوقات مثلاً لاش حضرت علی اکبر وغیرہ پر رونے کو اہل عقل عین صبر کہتے ہیں کیونکہ صبر کے معنی قساوت قلب نہیں بلکہ مصائب پر ثابت قدم رہنا ہے بیٹے یا بھائی کی لاش پہ رونا عین منشائے فطرت اور تقاضائے انسانیت ہے اگر کوئی اپنے بیٹے کی جوان مرگی پہ نہیں روتا تو دنیا اُسے قسی القلب کے نام سے یاد کرتی ہے۔

شجاعت کا تو ذکر ہی کیا، بیٹا وہی قدم بقدم ہو جو باپ کے کے مصداق جسطرح امیر المومنین علیہ السلام نے سوائے تلوار کے کوئی

حربہ نہیں استعمال فرمایا اسی طرح امام حسین علیہ السلام نے بھی صرف تلوار ہی سے جنگ کی آجکل جبکہ شجاعت کا معیار ہی لپست تر ہوگیا ہے بندوق توپ گیس شعاع موت ایجاد ہوچکے ہیں ذرا مشکل سے اسوقت کا معیار سمجھ میں آئیگا تیر نیزہ وغیرہ سے جنگ خلاف شجاعت نہیں لیکن تلوار کی جنگ میں یہ خاص بات ہے کہ حریف کو اچھی طرح دل کے حوصلے نکالنے کا موقع ملتا ہے نیزہ اور تیر میں یہ بات نہیں تلوار سے دل کی قوت ہاتھ کی طاقت اور بہادری کے جوہر کھلتے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام کی شجاعت جنھوں نے تاریخ کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہے اپر آفتاب کی طرح روشن ہے ہزاروں بلکہ لاکھوں کے نرغہ میں جو سب کے سب خون کے پیاسے ہوں صرف یہی کیا کم کمال ہے کہ ہر قتیل کی لاش پہ خود بہ نفس نفیس تشریف لے جاتے تھے اور اکثر کی لاشوں پہ دیر تک رو دیا کئے مرثیہ پڑھا اصحاب موجود تھے مگر خود جانا اور لاش اٹھا کر لانا ضروری تھا تین دن کی پیاس میں چھوٹے سے لشکر کے ہمراہ لاکھوں سے لڑے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے امام علیہ السلام کسقدر شجاع تھے اور فنون حرب کے ماہر جسکے بیان کے لئے کم از کم میرے پاس تو الفاظ نہیں کہ میں شان امام علیہ السلام کی شان کے مطابق اسکو بیان کر سکوں۔

مظلومیت آہ یہ کیسا لفظ میرے قلم سے نکل گیا جو میرے خیال میں امام علیہ السلام کے نام کے مترادف ہے کہ مظلومیت کے معنی حسینؑ اور حسینؑ کے معنی مظلومیت اسکے سوا میں اور کیا کہہ سکتا ہوں گویا مظلومیت تو آپ پر ختم ہوگئی سنا ہے کہ اقبال مرحوم کا مقولہ تھا کہ نہ دنیا میں حسینؑ ایسا کوئی مظلوم گذرا نہ قاتلان حسین کے ایسے ظالم۔ واقعی یہ مقولہ نہیں بلکہ جواہر پارے سے بھی زیادہ ہے بلکہ ہر صاحب انصاف کے دل کی بات ہے یہی مظلومیت کا اثر ہے کہ آجتک ہم تو ہم اغیار بھی خون کے آنسو بہا رہے ہیں ہم نے تو یہ کہیں نہیں دیکھا کہ دشمن بھی یہ شکے کہ حسین تھے تو یقیناً مظلوم لیکن انپر رونا عزاداری معاذ اللہ ناجائز ہے وہ دشمن جو رونے کو امام پر منع کرتا ہے لیکن مظلومیت کا وہ بھی قائل ہے۔

حلم اور ایثار کو تو گویا امام علیہ السلام کی طبیعت ثانیہ کہنا چاہیئے وہ حر کہ جو گھیر کر کربلا میں لایا جب عفو تقصیر کے لئے سامنے آیا اور قدم بوسی ہوا تو گویا کہ اسکی کوئی خطا ہی نہ تھی اسی حر کی شہادت کے بعد آپ روتے ہیں اور مرثیہ پڑھتے ہیں عرب کا سا ملک کہ جس میں بدلہ لینے کے لئے اور بات بات پہ پشتہا پشت تک جنگ ہوا کرتی تھی سوائے خاندان رسالت کے ایسی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

شب عاشور یعنی کڑی رات جدن امام کو اپنے اصحاب سے یہ کہنا چاہیئے تھا کہ کل تمہارے امتحان کا دن ہے جو میرا ساتھ دیگا وہ فائز المرام ہوگا خوشنودی خدا و رسول والمُہ کا مالک ہوگا جنت پائے گا میری ماں فاطمہ زہرا تم سے خوش ہونگی تم سب میرا ساتھ دو اور حرم رسول خدا کی حفاظت کرو میں تمہارا امام ہوں تم پر میری حفاظت و اطاعت واجب ہے مگر آپ بجائے اسطرح کے کلمات کے یہ فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص کو میں نے اجازت دی کہ اس پردۂ شب میں جدہر چاہے چلا جائے کیونکہ یہ لوگ صرف میرے خواہشمند ہیں جب مجھے پا جائینگے تو پھر دوسرے سے تعرض نہ کرینگے اب اور اس سے بڑھکر حلم و ایثار کیا ہوگا۔

آخر میں یہ ضرور کہونگا کہ وقت اور ضرورت اور زمانہ وہ ہے کہ تمام شیعوں کو اسوقت حقیقی پیروی امام حسین علیہ السلام کی کرنا چاہیئے میں خود اپنے کو اس سے مستثنیٰ نہیں قرار دیتا بلکہ ہر ایک کو اور مجھکو بھی یہ فرض سمجھ لینا چاہیئے کہ دنیا مثال زندگی کربلا ہے اور اسوقت ہمارا یہ لازمی اصول ہونا چاہیئے کہ حسینی سبق پہ عمل پیرا ہوں یہ میں نہ بتا سکتا ہوں اور نہ بتانے کی ضرورت ہے کہ وہ کیا ہے ہر شیعہ اسکو جانتا ہے اور دینی راہبر اب بھی نہ جاننے والوں کو بتانے کے لئے موجود ہیں عمل ہمارا کام ہے باقی خدا کے ہاتھ ہے شیعہ آج اگر درس حسینی پہ عمل کریں کامل طور سے تو وہ پھر سے اپنا کھویا ہوا اقتدار حاصل کر سکتے ہیں۔ شہادت حسین نے اسلام کو زندہ کر دیا اب حسین کی پیروی ہی صرف ہماری فلاح کا باعث ہو سکتی ہے

امیر تیمور کا خواب اور بہادر شاہ ظفر

جو اہلبیت سے محبت نہ کرے وہ مسلمان نہیں

(نوشتۂ عالیجناب نوابزادہ سید فدا حسین صاحب مدظلہ منصور نگر لکھنؤ)

برنس صاحب (۔۔۔ سنہ ۹) لکھتے ہیں اور مشہور واقعہ ہے کہ امیر تیمور پہلے قزاقی کرتے تھے اور مطیع بادشاہ بلخ و بخارا تھے۔ اتفاقاً ۲۳ بنی فاطمہ کو قید ترکمان سے نجات دی۔ شاہ نے عتاب کیا۔ اس نے مقابلہ کیا تیمور غالب آئے۔ نوبت بہ سلطنت پہونچی خواب میں جناب رسول خدا کو دیکھا کہ ۲۳ خرمہ عنایت فرما رہے ہیں چنانچہ بنی فاطمہ کو قید سے نجات دلانے کی وجہ سے تیمور کی نسل سے سلطنت سے ۲۳ بادشاہ دہلی پر رفتہ رفتہ حکمران رہے۔ جیسا کہ ذیل سے ظاہر ہے۔

امیر تیمور

(۲) میران شاہ	(۱۰) شاہجہاں	(۱۸) محمد شاہ
(۳) سلطان محمد مرزا	(۱۱) اورنگ زیب	(۱۹) احمد شاہ
(۴) سلطان ابوسعید	(۱۲) اعظم شاہ	(۲۰) عالمگیر ثانی
(۵) محمد شیخ مرزا	(۱۳) شاہ عالم	(۲۱) علی گوہر شاہ عالم
(۶) ظہیر الدین محمد بابر	(۱۴) معز الدین جہاندار شاہ	(۲۲) معین الدین محمد اکبر شاہ
(۷) ہمایوں	(۱۵) فرخ سیر	(۲۳) بہادر شاہ ظفر
(۸) اکبر	(۱۶) ابوالبرکات شمس الدین	
(۹) جہانگیر	(۱۷) رفیع الدولہ پسر رفیع الشان	

اسی صورت سے ایک اور دوسرا تاریخی خواب امیر سبکتگین کا مشہور ہے جو اس نے ہرنی کے بچے کو جس کو وہ پکڑ چکا تھا جب اس کی ماں کو بیتاب اشک پرنم دیکھا آزاد کر دیا تھا اور جس کے صلہ میں حضرت رسول نے خواب میں اس کو سلطنت کی بشارت دی تھی غزنی کے تخت پر بادشاہ ہو کر بیٹھا تھا۔ فی الواقع خدا ترسی اہلبیت رسولؐ سے محبت عجیب چیز ہے

ان کے توسل سے جب دعا سچے دل سے مانگی قبول ہوئی۔ ایک مرتبہ دہلی کے چراغ کی آخری روشنی ابوالمظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ظفر سخت علیل ہوئے مرزا حیدر شکوہ پوتے مرزا سلیمان شکوہ بہادر نے دعا مانگی اور منت مانی کہ بہادر شاہ اگر اچھے ہو گئے تو حضرت عباسؑ کی درگاہ پر علم چڑھاؤں گا۔ صحت ہو گئی ذوق مرحوم نے جشن صحت بادشاہ میں قصیدہ نظم کر کے پیش کیا خلعت ملا۔ اس وقت لکھنؤ میں واجد علی شاہ کی حکومت تھی دہلی سے مرزا حیدر شکوہ علم لے کر آئے ارکان شاہی اور خود واجد علی شاہ نے مشایعت کی اور جناب سلطان العلماء اعلی اللہ مقامہ کے ہاتھ سے علم درگاہ پر چڑھایا گیا۔ بہادر شاہ نے ایک عریضہ بھی اپنا مہری جناب سلطان العلماء کو بھیجا جس میں انھوں نے ان سے واضح کیا تھا کہ انھوں نے مذہب اثنا عشریہ اختیار کر لیا ہے۔ یہ خبر کسی نہ کسی طرح سے دہلی پہونچ گئی لوگوں نے تنگ کرنا شروع کر دیا تو بہادر شاہ نے بہ مصلحت وقت کہہ دیا کہ میں نے صرف اس مضمون سے ایک فرمان مجتہد کے نام بھیجا ہے کہ جو اہلبیت سے محبت نہ کرے وہ مسلمان نہیں۔ لوگوں نے نہ مانا ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایجنٹ کی معرفت اس فرمان کی نقل لکھنؤ سے منگوائی گئی اور اس میں وہی تھا جس سے بہ مصلحت وقت شاہ نے انکار کر دیا تھا۔

بہادر شاہ عالم بھی تھے اور شاعر بھی غالب۔ ذوق مقربان خاص سے تھے۔ محرم کرتے تھے۔ سبز لباس زیب تن ہوتا تھا۔ فقیر بنتے تھے۔ ساتویں کو قلعہ میں مہندی اٹھتی تھی۔ ۸ تاریخ کو کھاروے کی لنگی باندھتے اور کاندھے پر مشک رکھ کر معصوموں کو شربت پلاتے تھے۔ روز عاشورہ موتی مسجد میں نماز عاشورہ ادا ہوتی تھی اور فرماتے تھے ؎

میرا حامی ہے پیشوا ہے علیؑ میرے ہر درد کی دوا ہے علیؑ

۱۸۵۷ء کے غدر نے مجبور کر دیا۔ ورنہ دہلی کی طرف سے راجہ رام موہن رائے بحیثیت سفیر اور اودھ کی طرف سے مولوی مسیح الدین روانہ لندن برائے واپسی سلطنت اودھ و دہلی جا چکے تھے۔ بہادر شاہ کو قید فرنگ کی سختی۔ جلاوطنی سب کچھ برداشت کرنا پڑی۔ گوروں کی حراست میں رنگون بھیجے گئے۔ رائل روڈ ایک دو منزلہ بنگلہ میں قیام رہا۔ گورنمنٹ سے جو سو ماہوار جو ملتا تھا اسی پر قناعت کی۔ یہ شعر انھیں کے ہیں ؎

ہیں در دولت سے ہوتے بہرہ ور شاہ و گدا پھر بھلا اس در کے ہوتے کس سے کیجے التجا
آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں پر ظفر ہے آپ کا آئیے اب تو مدد کے واسطے بہر خدا

یا حسینؑ ابن علیؑ بندہ بہت لاچار ہے

مستغنی کونین ہی رکھو اپنے ظفر کو محتاج نہ کر حیدر کرار کسی کا

دہلی کی سلطنت کا چراغ تو پہلے ہی سے جھلملا رہا تھا اور خاندان مغلیہ کی سلطنت کی جان سسک سسک کر دم توڑ رہی تھی۔ دہلی کا آخری چراغ جو دہلی کے تخت پر ۲۸ جمادی الثانی ۱۲۵۳ھ مطابق ۲۸ ماہ ستمبر ۱۸۳۷ء میں بڑی جاہ و حشمت کے ساتھ متمکن ہوا تھا ۱۱ نومبر ۱۸۶۲ء عارضہ فالج میں مبتلا ہو کر ۹۹ برس کے سن میں ۲۶ برس سلطنت کے بعد ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا اور اس طرح سے تیمور کے خواب کی تعبیر پوری ہو گئی۔ مادہ تاریخ

ندا داد ہاتف بہر سالش بہادر شاہ از دنیا برفت آہ

اب سچے دل سے ہر شخص کو اہلبیت سے محبت کرنا چاہئے اور دشمنی میں ان کی جس طرح سے کہ ایک ادنی سلوک سے ۲۳ بادشاہ دہلی میں بیٹھے اور سبکتگین کو غزنی کی سلطنت ملی کہیں ہمیشہ کے لئے دنیا و آخرت کا عذاب نہ ہو جاوے۔

نہ آج تیمور ہے نہ سبکتگین نہ بہادر شاہ ظفر۔ زمانہ گذر گیا۔ ظالم بھی مر گئے اور نیک لوگ بھی لیکن اچھوں کا نام ان کی نیکی۔ رحمدلی۔ سخاوت زمانہ کو یاد ضرور آتی ہے فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اخبار اور واقعہ کربلا

(نوشتہ عالیجناب مولوی مرزا احمد علی صاحب مدظلہ امرتسری، لاہور)

واقعہ کربلا دنیا کا وہ عظیم الشان واقعہ ہے جس سے ہر قسم کے سبق ملتے ہیں۔ سیاست کا اعلیٰ سبق اس میں ہے۔ ہر قسم کے اخلاق حسنہ کے اسباق اس میں ملتے ہیں۔ عالمگیر امن کے قیام کا درس یہی واقعہ دیتا ہے ظلم و استبداد کی مخالفت اس سبق آموز واقعہ میں ملتی ہے۔ رحم و کرم اس سے مترشح ہوتے ہیں تنظیم کا سبق یہ واقعہ پڑھاتا ہے۔ اتفاق، اتحاد کی برکت یہ بتلاتا ہے حق و صداقت کی مجسم ہدایت اس سے حاصل ہوتی ہے۔ حریت و سرفروشی اس سے سیکھ سکتے ہیں۔ علم و جہل کا فرق اس سے صاف نظر آتا ہے۔ حق و باطل کا امتیاز اس حادثہ سے ہوتا ہے۔ قومی ترقی کے اسباب یہاں سے معلوم ہوتے ہیں۔ مذہب کی اہمیت اس میں صاف نظر آتی ہے۔ غرض دین و دنیا کی بہتری کی کوئی چیز نہیں جس کا سبق اس واقعہ عظیمہ سے نہ ملتا ہو۔ ایک چیز جو آج میرے ذہن میں آئی ہے۔ اس کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں اور وہ اخبار ہے۔ ہمیں آج کی صحبت میں یہ دیکھنا ہے کہ کیا اخبار کے متعلق بھی یہ واقعہ کچھ سکھلاتا ہے۔ میں یہ عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اس واقعہ کے تمام متعلقات مجسم اخبار ہیں۔ اور اخبار کی اہمیت پر بہت زیادہ روشنی ڈالتے ہیں۔ اصل واقعہ صرف مظلومانہ شہادت ہے۔ اس کے ماقبل و مابعد کے واقعات اور آج تک کے چرچے محض اخبار و تشہیر ہیں یعنی ماقبل کے واقعات بھی اسی لئے کئے گئے کہ یزید کے استبداد اور امام علیہ السلام کی مظلومی کی تشہیر ہو کیونکہ اُس زمانہ میں نہ ڈاک تھی نہ تار۔ نہ تلغراف تھی نہ ٹیلیفون۔ نہ اخبار تھے نہ ریڈیو۔ اس لئے اس زمانہ کے لحاظ سے تشہیر کی یہی صورتیں تھیں جو حضرت امام روحی لہ الفداء نے دکھلائیں۔ طلبی بیعت کے واقعات کی تشہیر پہلے مدینہ میں کی۔ اس شہرت کو اہل مدینہ کے دلوں میں پائدار کرنے کے لئے رات کے وقت متعلقین کے ساتھ کوچ کیا۔ اس قافلہ کے نکلنے سے مدینہ میں چرچے ہوئے جب راہ سے مکہ معظمہ تشریف لیگئے وہاں چرچے ہوتے رہے مکہ معظمہ پہونچ یہاں واقعات مشہور ہوئے مکہ معظمہ کے طولانی قیام میں لوگوں کی زبانوں پر یہی باتیں ہونگی۔ اور پھر عین اسوقت جبکہ حج میں ۲ ہی دن باقی تھے اور قافلے حج کیلئے آرہے تھے حضرت کا احرام حج کو احرام عمرہ سے بدل فرماکر عمرہ کرکے مکہ سے عراق کی راہ لینا ایک ہیجان تھا جس نے حضرت کے واقعات کو کونے کونے اور گوشے گوشے میں پہنچا دیا ہوگا مکہ سے کربلا تک حضرت کی اس حالت سے بادیہ پیمائی کی تشہیر ہوئی کربلا میں ۲ سے ۱۰ محرم تک جتنے واقعات ہوئے۔ فوج یزید نے سب کو دیکھا اور اگرچہ انہیں حکم حاکم سے سرتابی کی مجال نہ دیتا ہو لیکن وہ خود ان واقعات کی تشہیر کے باعث ہوئے۔ بعد شہادت الاقتل الحسین بکربلا۔ ذبح الحسین بکربلا کی صدائے دردناک شہادت کی منادی کر رہی تھی۔ اسی طرح جس طرح آجکل کی حکومتیں ریڈیو کے ذریعہ اہم خبریں دنیا کو سناتی ہیں۔ قدرت نے قدرتی ریڈیو کے ذریعہ سے یہ خبر اہل عالم کو بتلائی۔ جنوں کے نوحوں نے اس خبر کو اور پھیلایا۔ اہلبیت کی اسیری بھی اعلان شہادت کا سبب ہوئی اور جدھر سے یہ قافلہ گذرتا گیا یزید کا ظلم اور امام حسین علیہ السلام کی مظلومی کا اعلان ہوتا گیا۔ قدس سرُہ اور لٹے ہوئے قافلے کا غمناک جلوس شہادت کی خبر کو پھیلانے اور دلوں میں ہیجان پیدا کرنے کیلئے بے نظیر آلہ تھا۔ دمشق میں داخلہ، شہر کی سجاوٹ، دربار یزید میں اہلبیت کا ورود، بھرے دربار میں مخدرۂ عظمیٰ کی دل ہلا دینے والی باتیں۔ امام سجاد علیہ السلام کی تقریریں وہ کام کر رہی تھیں جو لاکھوں اخباروں سے نہیں ہو سکتا۔ رہائی کے بعد شام میں اہلبیت کی مجلس، پھر واپسی مدینہ کے واقعات قریب مدینہ پہونچ کر اہل مدینہ کے استقبال کا دردناک نظارہ حضرت ام کلثوم سلام اللہ علیہا کا مدینۃ جدنا لا تقبلینا فبالحسرات والاحزان جئنا کا رقت آور نوحہ یہ سب باتیں تشہیر شہادت عظمیٰ کیلئے تھیں گویا وہ کام جو آجکل اخباروں تقریروں اور مظاہروں سے ہوتے ہیں۔ ان واقعات نے کئے اور بہت ہی مؤثر انداز میں کئے۔ اب اعتصام بحبل اللہ کرتے ہوئے دین کو بچاتے ہوئے جو کچھ واقعہ کربلا میں ہوا اس سے اخبار کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اگر اس زمانہ میں اہلبیت کو آزادی ہوتی اور انکا اخبار ہوتا تو اغلب ہے کہ اسے اعلان و تشہیر شہادت کیلئے ضرور استعمال کیا جاتا۔ مسلمانوں مومنین کو اور اخبار نویس کو اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ اعلان و اشتہار بہت ضروری شئے ہے۔

سلام

(از جناب سید محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی اعلی اللہ مقامہ)

اشکِ غم زینت وہ اہلِ نظر کیونکر نہ ہو
گوشِ حورانِ بہشتی میں گُہر کیونکر نہ ہو

بابِ شہرِ علم کی آمد ہے بیت اللہ میں
کیوں نہ ہو دیوار میں کعبہ کی در کیونکر نہ ہو

اُمِ لیلیٰ جانتی تھیں صبحِ عاشورہ کا حال
چہرۂ اکبر پہ حسرت سے نظر کیونکر نہ ہو

بہ گیا تجھ پر رسول اللہ کے دل کا لہو
اے زمینِ کربلا تو با اثر کیونکر نہ ہو

خون برسا دیں فلک سے جو مسافر تشنہ لب
ایسے مظلوموں پہ کوئی نوحہ گر کیونکر نہ ہو

دوپہر میں فاطمہ کا سب بھرا گھر لٹ گیا
میرے آگے یہ جہاں اک رہگذر کیونکر نہ ہو

ابنِ خیبر گیر نکلا آستیں اُلٹے ہوئے
لشکرِ اعدا میں زیر و زبر کیونکر نہ ہو

روئے خونِ تازہ سے جس پر فلک چالیس دن
نوحہ خواں اُس پر عزیز نوحہ گر کیونکر نہ ہو

اسی سے بقائے اثر شہادت ہوا اور چونکہ شہادت کے اعلانوں میں مکر و دغا۔ زور باطل کو دخل نہیں دیا گیا اس لئے اخبار کو چاہیئے کہ ہمیشہ حق و صداقت کو مدنظر رکھے اور اس کو پھیلانے کے لئے ہر جائز وسیلہ اختیار کرے اور مومنین اخبار کو اپنے وجود کے باقی رہنے کا ذریعہ سمجھیں۔ اگر اعلان و اشتہار شہادت نہ ہوتا تو شہادت کربلا کی ریت میں گم ہو جاتی۔ اسی طرح اگر قوم کا طاقتور اخبار نہیں تو قوم فنا ہو جائے گی۔

مومن کی تعریف

(نتیجۂ فکر بن جناب مرزا رضا حسین صاحب ہمدانی از پشاور)

جس پہ ہوتا ہو، فغان و آہِ بیکس کا اثر
جس کے دل میں جذبۂ ہمدردیٔ نوعِ بشر
جو شرر جس کی رگ و پے میں ہو خونِ زندگی
رشکِ گلہائے ارم جس کے لئے زخمِ جگر
خاکِ مقتل، غازۂ رخسار، جس کے واسطے
جس کا زیور، خنجر و شمشیر و پیکان و تبر
موت، جس کے واسطے، بازیچۂ اطفال ہو!
مشکلیں کے واسطے ہر وقت جو سینہ سپر
سایۂ شمشیر ہو، جس کو شبستانِ نشاط
جس کی ہمت قتل گہ کو جانتی ہو اپنا گھر
جو حسین ابن علی کی طرح بے خوف و ہراس
مسکرا کر سجدۂ حق میں کٹا دے اپنا سر
کشتِ دینِ مصطفےٰ کی آبیاری کے لئے
مثلِ عباسِ جری، دیدے جو خونِ چشمِ تر
جو بہا دے مثلِ اکبرؑ، نوجوانی کا لہو
اور اَنی پر نیزۂ بیداد کی رکھ دے جگر
جس کے بچے، قاسم و عون و محمد کی طرح
لشکرِ باطل میں جا کودیں مثالِ شیرِ نر
ننھے اصغر کی طرح، تپتے ہوئے میدان میں
تیر سے زخمی ہو، پیاسا جس کا شش ماہہ پسر
حضرتِ سجاد کی مانند دیں کے واسطے
قیدِ اعدا میں، مقید جو رہے شام و سحر
جو حبیب ابن مظاہر بن کے در ہنگامِ شیب
تیرِ ایماں سے دوبارہ کفر کا کر دے جگر
سائے میں تیغوں کے ہو جس کی نمازوں کا قیام
ذکر میں جس کے ہو لفظ "قُم بِاِذنِی" کا اثر
جس کے ترکش میں رہے موجود پیکانِ عمل
ہاتھ میں جس کے ہو دائم قبضۂ تیغِ دوسر
جو شکوہِ قیصر و کسریٰ سے ڈر سکتا نہ ہو
جو قضا کے جانگسل نشتر سے مر سکتا نہ ہو

بانیٔ مجلس

(نتیجۂ فکر بلند عالیجناب نجم آفندی اکبرآبادی مدظلہ از حیدرآباد دکن)

بانیٔ مجلس خدا تجھ کو جزائے خیر دے
خیر کی توفیق بے حد یہ بنائے خیر دے
ہو ترا ذوقِ عمل تقلیدِ انصارِ حسینؑ
دل قومی جذبہ سلامت لے عزادارِ حسین
نبض کی رفتار میں حرؑ کے ارادہ کی روش
خون میں عزمِ حبیب ابن مظاہر کی روش
اُسوۂ شبیرؑ کے سایہ میں دم لینا نصیب
دوش پر ملت کی عظمت کا علم لینا نصیب
پھول سے ہلکا رہے رختِ گرانبارِ حیات
کھول دے رازِ شہادت تجھ پہ اسرارِ حیات
مسلم ابن عوسجہ کا حوصلہ ہو راہ بر
باندھ لے شالِ عزا سے اپنی ہمت کی کمر
درد ملت بھی رہے شالِ متاعِ ہوش میں
پرورش پا کر غمِ شبیر کی آغوش میں
جس قدر مسرور ہے مجلس میں حصہ بانٹ کر
ہو یونہیں خوش قوم سے عیبِ ظلالت چھانٹ کر
کام کرنا کام کی خاطر ترا دستور ہو
نام کی خواہش تری نیت سے کوسوں دور ہو
خانماں پر رکھ تو دینِ آشیانے کی بنا
تیرے ہاتھوں سے پڑے قومی زمانے کی بنا
قبضۂ ترکِ فلک سے چھین لیں تلوار ہاتھ
اس قدر کس بل کریں پیدا یہ ماتم دار ہاتھ
چیر کر یوں دل کو نکلے نعرۂ یا لیتنی
کاٹتی ہے جس طرح شیشہ کو ہیرے کی کنی
زندگی کی رو خجل کر دے اجل کو ٹھیر کے
مسکرائیں اشکِ غم طوفان کا منہ پھیر کے
ایک دل ہو جائیں سب جذب کی عابس کی طرح
جمع کر لے سب کو اک مرکز یہ مجلس کی طرح
تجھ کو انعامِ زیارت ہمتِ پرواز دے
سر قدا اٹھ کر غبارِ کربلا آواز دے

امتحان گاہ کربلا کی نوعیت

(نوشتہ [illegible] الجناب مولانا عابد حسین صاحب قبلہ حسین آبادی بہاری پروفیسر معقولات جامعہ سلطان المدارس)

جان صداقت پہ دے صدق ہے فطرت تری
زیست کی پروانہ کر زیست ہے دام فنا

بابا آدم جنت سے نکالے گئے۔ اس میں گوناگوں مصلحتیں طرح طرح کے راز تھے۔ شیطان کی نگاہ میں خاکی پتلا لائق تعظیم و تکریم نہ تھا۔ سجدہ کا حکم دیا گیا۔ انکار کرنے پر مردود بارگاہ سبحانی بنا۔ ناری مخلوق نوری مخلوق پر حسد کرنے لگا۔ ناصح مشفق بن کر آدم کو بہکایا۔ شجرۂ ممنوعہ سے گندم تناول فرما کر بظاہر جنت سے علیحدہ کئے گئے۔ باطن میں خلیفۃ اللہ بن کر غیر آباد زمین کو آباد کرنے کے لئے۔ دنیا کو آخرت کی کھیتی بنانے کے لئے بقول مشہور امتحانگاہ کوہ سراندیپ پر اُتارے گئے۔ خدا کی جدائی میں جنت کے فراق میں ساحت الجلال الٰہی سے بعید ہو کر روئے اور خوب روئے دریا بہا دئے۔ ذرا کوئی آدم سے پوچھتا کہ آپ پر کیا مصیبت نازل ہوئی آپ کو کیا تکلیف پہونچی کس نے آپ کو ستایا۔ تو شاید جواب میں فرماتے کہ وطن سے نکالے گئے۔ روحانی صدمہ میں مبتلا کئے گئے۔ شیطان دشمن نوع انسان نے زحمت میں مبتلا کیا۔ نوح بھی اختبار کی کسوٹی پر کسے گئے امتحان گاہ میں لائے گئے۔ طرح طرح کی بلاؤں میں مختلف مصائب میں مبتلا کئے گئے۔ روئے اس قدر روئے کہ آخر میں نوحہ و بین کی کثرت سے نوح کا لقب پا گئے یہ کافروں کے ستائے ہوئے تھے مشرکوں کے مظالم کے تختۂ مشق بنے۔ ایمان لانے والے بہت تھوڑے تھے جو فادما آمن معہ الا قلیل۔ بہت قلیل تھے۔ ان کی قدرت و قوت سے نوح نہ شر کفار سے بچ سکتے تھے نہ ان کی وجہ سے مصائب میں مبتلا ہوئے تھے۔ ابراہیم نمرود کے مظالم کا شکار بنے۔ ان کو بت پرستوں نے بھی جبر کے ستایا۔ آگ میں ڈالا۔ قدرت نے عالم عناصر میں کیفیت کون و فساد پیدا کر دی۔ نار کو گلزار بنایا۔ موسیٰ نے تکلیفیں اُٹھائیں فرعون کے ڈر سے ہجرت کی مشقت سفر برداشت کی۔ لیکن ایمان لانے والوں نے انھیں میدان آزمایش میں نہیں چھوڑا کیا اُن کے سچے پیرو نے اُنھیں اذیت نہیں دی۔ عیسیٰ کو یہودیوں نے ستایا۔ دار پر چڑھایا۔ حواریوں نے بلاؤں میں مصیبتوں میں ان کو گرفتار نہیں کیا۔ لیکن محمد و آل محمد کی امتحان گاہ سب انبیاء کے آزمایش گاہ سے نرالی انوکھی تھی ان حضرات کے امتحانات نہایت درجہ شدید تھے۔ رسالتمآب نے بڑے بڑے مصائب اُٹھائے پتھروں سے ڈھیلوں سے اذیت دئے گئے۔ مخبوط الحواس دیوانہ کہے گئے گھر سے نکالے گئے حرم خدا کعبہ سے جدا کئے گئے۔ ہجرت کی مشقتیں برداشت کرنی پڑیں۔ سب سے بڑی مصیبت خاتم المرسلین کو جو پہونچی وہ ان اہل نفاق صحابہ سے پہونچی جو دن رات صحبت کے بیٹھنے والے تھے۔ اور

ہر وقت فکر میں لگے رہتے تھے کہ خدا کے رسول کو ہلاک کر دیں یہ مار آستین تھے۔ بغلی گونسے بنے ہوئے تھے۔ خدا نے ان کے شر سے نبی کو محفوظ رکھا کفار سے جنگ کا سلسلہ بعد ہجرت شروع ہوا۔ اعزا و انصار مہاجرین نے مدد کی۔ جنگ احد میں حضرت زخمی ہوئے۔ دندان مبارک شہید کئے گئے بہائے نازک پر ضرب لگی۔ تکلیف کی کچھ انتہا نہ رہی۔ صحابہ کے فرار سے روحانی تکلیفیں اُٹھائیں۔ زخم تیغ سے جسمانی اذیت برداشت کی۔ اسلام کی ترویج میں سب تکلیفیں راحت بن گئیں سب اذیتیں خوشگوار ہو گئیں۔ بمصالح شہادت پر فائز نہ ہو سکے۔ اس لئے قدرت نے آنحضرت کے دو نو نواسوں کو آنحضرت کا قائم مقام بنایا۔ ان دونوں کا گوشت و پوست رسول کا گوشت و پوست تھا ان کا خون رسالتمآب کا خون تھا۔ ان کی پرورش لعاب دہن رسالتمآب سے ان کی تربیت آغوش رسالتمآب میں ہوئی تھی۔ ان دونوں میں سے ایک زہر دغا سے شہید ہوا دوسرا زمین کربلا میں تین دن کا بھوکا پیاسا ذبح کر ڈالا گیا۔ کربلا میں ظاہر بین نگاہوں میں حسین مظلوم کا خون بہایا گیا۔ حسین بیکس کو تیر و نیزے سے زخمی کیا گیا۔ باطن میں رسالتمآب آماجگاہ مصائب بنے اور حضرت ہی کا خون ناحق جلتی ریتی پر نینوا کے بہایا گیا۔ تیروں کا مینہ تلواروں کے وار رسالتمآب پر ہوتے رہے کم سے کم تیس ہزار کا مجمعہ اہل کوفہ و شام کا حسین کے قتل کا بیڑا اُٹھا کر زمین غاضریہ پر مجتمع ہوا تھا۔ لیکن ان میں بجز حر ابن یزید ریاحی کے کوئی دوسرا عارف نہ نکلا۔ ورنہ نبی حاشر شافع محشر کی اولاد کا ساتھ ضرور دیتا۔ حر دوزخ سے آزاد ہو کے۔ حسینی لشکر سے آملے۔ سعادت دارین حاصل کی امتحان گاہ کربلا کی نوعیت تمام انبیاء و اوصیاء کے امتحان گاہ سے اپنی خصوصیتوں کے باعث بالکل جدا ہے ہر جگہ غیر مذہب والے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن کربلا میں کوفہ و شام کے مسلمان نظر آرہے ہیں۔ اُنہیں نے حسین پر چڑھائی کی پانی بند کر دیا۔ راہ چارہ و تدبیر بند کی۔ محصور کیا۔ قید کیا۔ دوپہر میں گھر بھر کا خاتمہ کر دیا۔ پنجتن کا نام مٹا دیا۔ خون حسین کے وزن نے اُمت گنہگار کے گناہوں کے پلے کو اتنا سبک کیا کہ وہ سب کے سب جنتی ہو گئے حسین کا خون ناحق اتنا وزنی کیوں بنا۔ انبیاء سابق کا خون بھی تو اتنا وزنی نہ تھا۔ صرف اس لئے اس کا وزن بڑھ گیا کہ اس خون میں رسالتمآب کے خون کے ذرے ملے ہوئے تھے۔ نانا کا کلمہ پڑھنے والو نواسہ کو قتل کرتے وقت تم نے اتنا بھی نہ سوچا کہ یہ تم کس کو تیر و نیزہ لگا رہے ہو۔ کس کو تیغ آبدار کا جوہر دکھا رہے ہو اے غافلو یہ تمھارے نبی کا نواسہ ہے تمھارے ولی علی کا بیٹا ہے۔ فاطمہ زہرا کا لخت جگر ہے۔ اے نام کے مسلمانوں اس جسد پاک میں رگ نازک میں اعضاء و جوارح میں رسالتمآب کا خون طاہر و مطہر دوڑ رہا ہے گردش کر رہا ہے حسین کی حیات رسول کی حیات ہے۔ حسین کی شہادت رسول کی شہادت حسین کی موت رسول کی موت ہے کوفے والو درندے تم سے بہتر۔ شام والو بھیڑئے تم سے افضل و برتر ہیں تاریخ کی ورق گردانی کرو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ درندے حیوانات تھے انبیاء و اوصیاء کی قدر کرتے رہے ہیں حفاظت کیا کئے ہیں

لیکن تم لوگوں نے ایک نبی زادے کو ایک غریب الوطن بیکس کو نیزے لگا لگا کے تلواریں مار مار کے کند خنجر سے پیاسا ذبح کر ڈالا حیوانیت تمہاری حرکتوں پر انگشت بدنداں ہے بہیمیت تمہارے ناشائستہ افعال پر نوحہ کناں ہے کوفہ والو تم نے غور نہیں کیا شام والو تم نے فکر نہیں کی کہ عاشورہ کے دن جن بزرگ ہستیوں کی گردنیں تم تہ تیغ کر رہے ہو یہ لوگ تمہارے نبی کی عترت تمہارے رسول کے اہلبیت ہیں۔ بعض صحابہ رسول ہیں بعض ناصر و مددگار ہیں سب کلمہ گو ہیں۔ نمازی ہیں۔ پیشانیوں پر ان کے سجدے کے نشانات ماہ تاباں بدر درخشاں کی طرح چمک دکھا رہے ہیں، اذاں کی آوازیں تلاوت قرآن داورادو وظائف، کی پر درد صدائیں جن کو شب ہجراں ہیں مسافروں نے درگاہ رب بے نیاز میں بلند کیں سن چکے۔ سب اپنے نام و نسب سے آگاہ کر چکے۔ حسین کا نسب نامہ اسلام کی تاریخ کا پہلا ورق ہے پھر یہ عداوت کیسی یہ دشمنی کا مظاہرہ کیسا۔ ایمانی بھائیو۔ اسلامی برادری والو مسلمانوں کا خون بہانا قتل و غارت کرنا کس قاعدہ سے کس قانون شریعت سے تم جائز سمجھ رہے ہو۔ ذرا خدا سے ڈرو نبی کی وصیتیں یاد کرو۔ کیا تم کو یقین ہے کہ حسین و رفقا رحسین کو بجرم قتل کر دینے کے بعد تم چین سے آرام سے حاکم شام کے عطا کردہ درہم و دینار کو صرف کروگے رنگ رلیاں مناؤ گے کیا منتقم حقیقی کو بھول گئے کیا مظلوموں کی آہیں بیکسوں کے نالے بیواؤں کی فریادیں رنگ لائینگی اچھا دیکھ لینا اسی زمین کے اوپر انہیں افلاک کے نیچے ایک دن تمہاری گردنیں ہوں گی اور مختار کی تلوار۔ زیادہ دن نہ گذریں گے زیادہ مدت منقضی نہ ہوگی کہ تم لوگ بھی بدترین عذاب کے ساتھ قتل کئے جاؤ گے۔ اے یزید اپنی سلطنت پر اپنی قوت پر اپنی فوج پر اپنی شان و شوکت پر اپنے مظالم پر ناز و غرور نہ کر۔ بہت جلد سرعت کے ساتھ وہ دن آتا ہے کہ جس میں تو منھ کے بھل زمین پر گر کے تڑپے گا ہاتھ پاؤں مارے گا۔ کاسہ پر غرور سر نجس تیرا چکنا چور ہو جائے گا موت کا فرشتہ تیری گردن دبائے گا۔ تیری حیات کا تیرے عیش و عشرت کا خاتمہ کر دے گا ابن زیاد۔ عبید اللہ سفاک و ظالم حاکم کوفہ سن اور سمجھ آج سر حسین کو طشت طلا میں سامنے رکھکے جتنی بے ادبی چاہے کر لے منتقم حقیقی خالق کائنات حاکم عادل دیکھ رہا ہے۔ تجھ پر آنے والا دن آئے گا اور تیرا سر نجس اسی کوفہ میں اسی دارالعمارۃ میں اسی مقام پر اسی ساعت میں مختار کے سامنے طشت طلا میں رکھا ہوگا اور وہ تیرے نجس لب و دندان پر اپنی چھڑی رکھ کے کہہ لے گا۔ افسوس کہ تجھکو حکومت کے نشہ نے ہوس ظلم کے کیف نے سرشار کر رکھا ہے۔ غیب کی باتیں آئندہ کی خبریں تو کیا جانے۔ اصل کی خرابی اعمال کی خرابی کا باعث بن گیا۔ تو نے بڑے بڑے مظالم محمد و آل محمد پر کئے چندسال بھی شہادت حسینی کو نہ گذرے تھے کہ مختار نے پہلے تجھکو پھر تیرے بیٹے کو قتل کیا اور تیرے سر سے وہی حرکتیں وہی خوش فعلیاں کیں جو تو نے سر فرزند نبی کے ساتھ کی تھیں تاریخی واقعات ہیں کتابی سرگذشت ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں سمجھتے ہیں۔ ایک معتبر راوی سے ایک موثق راوی نے نقل کی ہے ایک عجیب و غریب حکایت لکھی ہے ایک شخص کوفہ کا رہنے والا تھا طویل العمر تھا مسن تھا معمر تھا وہ کہتا ہے کہ دنیا کی غداری و مکاری کی اس سے واضح مثال مل نہیں سکتی۔ اور حیرتناک و عبرتناک واقعہ اس واقعہ سے زیادہ کہیں کتابوں میں دیکھا نہیں گیا۔ اسی دارالعمارۃ کوفہ میں چندسال کے

سبحۂ مرجان

(از ابوالقلم سید قمر الحسن قمر کاظمی کنتوری)

بچایا دین نبی اے حسین کیا کہنا
علی کے راحت جاں دل کے چین کیا کہنا

پڑھی نماز علی نے وہ ردّ شمس کے بعد
گواہ جس کے ہوئے مشرقین کیا کہنا

حسین اور حسن سے کہا فضیلت نے
نبی کے دوش کے اے راکبین کیا کہنا

اندھیرا کفر کا سب دور کر دیا تم نے
چراغ راہ ہدایت حسین کیا کہنا

عبادت شہ دیں دیکھئے شب عاشور
وہ نافلہ ہو کہ یا مغربین کیا کہنا

کٹا دیا سر انور لٹا دیا گھر بھر
جناب فاطمہ کے نور عین کیا کہنا

یہ بڑھکے عون و محمد سے کمسنی نے کہا
یہ شوق جنگ مرے سیدین کیا کہنا

وغا کو دیکھکے اکبر کی رن یہ کہتا تھا
حسین ہی کے تو ہو نور عین کیا کہنا

وہ جنگ حضرت عباس کی ہزاروں سے
وہ شان کاسر بدر و حنین کیا کہنا

سیاہ ڈھالوں میں اس طرح چمکی تیغ دو سر
فلک پہ جس طرح ہے فرقدین کیا کہنا

قمر یہ کہتے تھے اعدا بھی شاہ عالم سے
تمہارا شوق شہادت حسین کیا کہنا

اندر ہی اندر میں نے چار واقعے دیکھے۔ سب سے پہلے سرِ حسین کو دربار عبید اللہ ابن زیاد میں طشت طلا میں زیر کرسی رکھا ہوا دیکھا۔ اور اس سر مبارک سے ابن زیاد بے ادبی کر رہا تھا۔ اس واقعہ کے تھوڑے دنوں کے بعد ابن زیاد کا سر نجس اسی دار العمارۃ میں طشت طلا میں رکھکے مختار کے سامنے رکھا گیا اور اس کے ساتھ مختار کھیلتے رہے۔ اس حادثہ کے بعد ایک روز ایسا آیا کہ مختار کا سر مصعب ابن زبیر کے دربار میں لایا گیا اور دربار اُسی دار العمارۃ کوفہ ہی میں قائم کیا گیا تھا مصعب نے اپنے دل کی عداوت کا اظہار سر مختار کو ٹھکرا کے اس پر چڑھی رکھکے خوب خوب کیا۔ اس واقعہ کے بعد سر مصعب ابن زبیر ایک دن کاٹا گیا اور عبد الملک ابن مروان کے سامنے پیش کیا گیا اسی دربار العمارۃ میں اسی وقت میں اور عبد الملک نے سر مصعب سے وہی حرکتیں کیں جو مصعب نے سر مختار سے کی تھیں۔ ان پے در پے گذرنے والے سانحات نے بتا دیا کہ دنیا ایک عروس صد داماد ہے۔ ایک غدار معشوق ہے۔ ایک بیوفا محبوب اس نے کسی کے ساتھ وفا نہ کی اور نہ کبھی کرے گی۔ دنیا والو اس پر بھروسہ نہ کرو۔ اس کے فریب سے بچو اس کے دام سے علحدہ رہو۔ زندگی کا اعتبار نہیں موت یقینی ہے۔ توبہ کا دروازہ توبہ کرنے والوں کے لئے کھلا ہوا ہے۔ دنیا آج تمھاری ہے کل دوسرے کی ہوجائے گی مال دنیا آج تمھارا ہے کل ورثہ میں تقسیم ہوکر تمھارے دشمنوں کا ہوجائے گا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

الیوم عندك دلها ونعیمها
وغدًا لغیرك كفها والمعصم

قطعات

(نتیجہ فکر بلند جناب سید مرتضیٰ حسین صاحب رضوی سحر بلگرامی۔ بی۔ اے انرز۔ ایم۔ اے
پروفیسر آئی ٹی کالج لکھنؤ یونیورسٹی)

زمیں بہ زلزلہ آشوب در زماں آمد
فلک بخون شدہ تار و دھواں آمد
بخاک کرب و بلا بانگ الاماں آمد
گلوے شاہ تہ خنجر رواں آمد

دیگر

مصطفےٰ کو ناز ہے مرتضیٰ کو ناز ہے
اللہ اللہ خون سرور پر خدا کو ناز ہے
بوسہ گاہ مصطفےٰ پر شمر کا خنجر چلے
یہ شہادت وہ ہے جس پر کربلا کو ناز ہے

جذبات غم

(از نتیجہ فکر سید علی عباد رضوی فاضل متوطن شاہ گنج سہادی ضلع جونپور)

اے سلامی شہ پہ رائیگاں ہوتا نہیں
کون ہے باکی جو حقدار جناں ہوتا نہیں

تیرے غم کا تذکرہ شاہا کہاں ہوتا نہیں
کون سا دل ہے جو تجھ پر خونفشاں ہوتا نہیں

ذکر حیدر زینت مجلس جہاں ہوتا نہیں
رحمت حق کا گذر ہرگز وہاں ہوتا نہیں

تشنگان کربلا کا ذکر بے چھیڑے ہوے
مجلس تبلیغ میں رنگ بیاں ہوتا نہیں

صبر و ایثار حسینی کی نہیں ملتی مثال
اللہ اللہ تذکرہ ان کا کہاں ہوتا نہیں

آئینہ کردی حقیقت تو نے اے سبط رسول
ورنہ عالم میں حق و باطل عیاں ہوتا نہیں

سر نہ دیتا تو صداقت پر اگر سبط نبیؐ
نام کو بھی دین احمد کا نشاں ہوتا نہیں

ناتوانی میں دکھایا صبر تو نے اے حسینؑ
حق عظمت جس کا بندوں سے بیاں ہوتا نہیں

بیکسی پر شاہ کی روتے رہے وحش و طیور
تف ہے قلب بے خبر جو خونچکاں ہوتا نہیں

دل کی بیتابی کو روکیں کس طرح پر شاہ ہیں
مرگیا بیٹا جو آنکھوں سے نہاں ہوتا نہیں

کس طرح آتی جبین صبر پر تیرے شکن
ڈرنے والا موت سے شیر ژیاں ہوتا نہیں

لاش اکبر کس طرح خیمہ میں اب لائیں حسینؑ
قابل برداشت اب بار گراں ہوتا نہیں

خون اصغر مل رہے ہیں منھ پر آخر شاہ ہیں
ہے زمیں چپ اور راضی آسماں ہوتا نہیں

سختیوں پر سختیاں جھیلیں زباں سے اُف نہ کی
اس طرح فاضل کسی کا امتحاں ہوتا نہیں

سال نو

نوشتہ عالیجناب ابو الفتح علی مرزا صاحب رحمت ایڈیٹر گہن لکھنؤ

کسی کا سال نو راحت و آرام عیش و نشاط جلسوں اور خوش کیفت دور صہبا سے شروع ہوتا ہے کسی کا سال نو مسرت اور ہنسا ہا کا پیغام لیکر آتا ہے لیکن اگر ہمارے سال نو کی بہار دیکھنا ہو تو غم و الم کے باغ کی سیر کرنا چاہیئے جس میں اشک فشانی کی گلچینی اور گریہ و بکا مرغان خوش الحانکی ترانہ سنجی سے کہیں بڑھکر ایک پر اثر کیفت پیدا کرتی ہے ہمارے آنسو گو دیگر ایام میں گرا نقدر ہوں مگر سال نو کے عشرہ میں البتہ جنس بہا ہو تی جاتے ہیں بلکہ ان کی قدر و قیمت میں اتنی زیادتی ہوجاتی ہے کہ لعل و گوہر بھی اس سے شرماتے ہیں اس باغ میں صدا بہار رہتی ہے بلکہ اس کی نزہت و تازگی کا یہ عالم ہے کہ گل محبت نبوت ہمیشہ شگفتہ رہتا ہے یعنی اہلبیت رسالت و معدن نبوت کی مسرت سے مسرت اور انہیں حضرت کے مصائب دوام الام کو یاد کر کے توجہ و زاری گر ساتھ ہی ساتھ ان کے دشمنوں سے بیزاری بھی لازم ملزوم ہے۔

گو اس غم و نوحہ سے کوئی نتا ئج مترتبا ہو مگر ہمارے دل سے پوچھ کہ یہ غم و الم جو پر کیفت قرار رکھتے ہیں وہ زبان و قلم کے ذریعہ ادا ہو نا دشوار ہیں کسی کو یقین ہو یا نہو لیکن اگر ہمارے آنسو بھی اوس امام مظلوم کی مصیبت سن کے نکل گئے تو آنکھوں میں ٹھنڈک اور دل میں سرور پیدا ہو جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ بہت بڑی نعمت مل گئی۔

اگر ہمارے سال نو کی ابتدا بھی متذکرہ بالا عنوان سے ہوتی تو پھر عیش پرست اور خدا پرست میں کوئی امتیاز باقی نہ رہتا اسی لئے ہمارے سال نو کا آغاز ایک ایسے عظیم ترین واقعہ جانکاہ سے ہوا جو قیامت تک نہ بھولے گا۔

رباعیات

نتیجہ فکر بلند فخر الحکما جناب محمد کاظم صاحب کاظم بنارسی

اسلام سے مٹ کے سنورنا کھین　　ڈوبیں دریا میں ور ابھرنا سکھیں
مرنا جنھیں آتا نہو اب تک شہؑ کا　　وہ فاطمہ کے لال سے مرنا سکھیں

دیگر

بگڑی ہوئی صورت کو سنوارا تو نے　　مایوس کو دے دیا سہارا تو نے
بیحال تھا دم توڑ رہا تھا اسلام　　ڈوبی ہوئی نبضوں کو ابھارا تو نے

دیگر

فرزند رسول دوسرا کیوں نہ کہیں　　شاہنشہ تسلیم و رضا کیوں نہ کہیں
جب ذبح عظیم ہے شہادت تیری　　پھر ہم تجھے شاہ شہدا کیوں نہ کہیں

دیگر

زیبا تھی جو بات بس وہی کی تو نے　　جب وقت پڑا تو جان دیدی تو نے
عاشور کے دن آتی تھی آواز رسول　　شاباش حسینؑ بات رکھ لی تو نے

دیگر

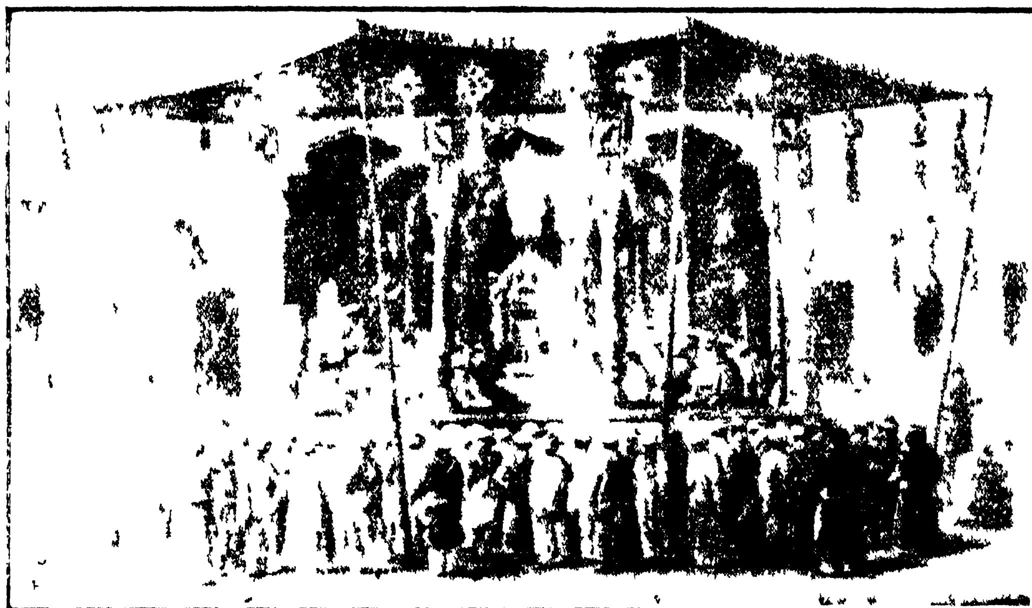
صحرا پہ جو لطف دھوپ ہی کرتے　　پیدا دریا میں تو روانی کرتے
پانی مانگے گا وہ کسی سے کاظم　　جو راہ خدا میں خون پانی کردے

آج کل چند نام نہاد مسلمان بلکہ دشمن ایمان جو فتنہ انگیزیاں اور فتنہ پردازیاں کر رہے ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں بالخصوص ایسے وقت میں جب کہ عالم امکان فتنہ و فساد کا گہوارہ بنا ہوا ہے۔ جبکہ ہر قوم و فرقے کے رہنما اور لیڈر سر جوڑ کر کن کن طریقوں سے مدافعانہ تدابیر میں مصروف ہیں مگر یہ نام نہاد دین فروش دنیا پرست مسلمان اپنے رہنے کی ایک ہی ہانگ لگے جاتے ہیں یعنے تعزیہ داری حرام رونا بدعت وغیرہ وغیرہ اور پھر لطف یہ کہ اپنے کو پکا موحد اور جنتی قرار دیتے ہیں حالانکہ ان اللہ کے بندوں کو اتنا بھی شعور نہیں کہ دراصل اسی شہادت عظمیٰ سے توحید کا سبق ملتا ہے اور اس کی مخالفت سے خود اپنے ہاتھوں توحید مٹا کر اچھا ثواب مول لے رہے ہیں اور پھر بھی مدعی اشاعت توحید ہو رہے ہیں اچھا پہلے تو خواجہ معین الدین چشتی کے (حقا کہ بنائے لا الہ است حسین) کو سمجھیں کہ وہ بزرگ کیا فرما گئے ہیں اور کیوں فرما گئے ہیں جناب امام حسین علیہ السلام کا وہ استغاثہ یاد کریں جو کہ آپ نے بروز عاشورہ کیا تھا کہ اما من موحد یخاف اللہ فینا یعنی ہے کوئی تم میں سے ایسا موحد اور مسلمان جو ہمارے باب میں خدا کا خوف کرے جس سے اگر اشاعت توحید کا پتہ چلتا ہے تو اس بات پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اوس بھری فوج میں مدعی اسلام تو سب تھے مگر ایک بھی ایسا مسلمان نہ تھا جو حضرت کے قتل میں خوف خدا کرتا در اصل وہ سب کے سب انھیں نام نہاد مسلمانوں کے آبا و اجداد تھے سب جانتے ہیں کہ اوس لشکر کا سردار عمر ابن سعد تھا جو کہ صحابی رسول کا بیٹا ہونے کے علاوہ انہیں لوگوں کے راویان حدیث میں سے بھی ہے۔ شمر ابن ذالجوشن بھی صحابی کا بیٹا ہے سنان ابن انس بھی تابعین عظام یا صحابہ کرام میں سے ہے قرآن کی مدح پر جان دینے والے اور خصوصیت سے تعزیوں کے سامنے وشارع عام پر مدح صحابہ پڑھنے کی تحریک کرنیوالے ذرا تعصب کی عینک اوتار کر انصاف سے بتائیں کہ ان میں سے کوئی بھی موحد اور مسلمان تھا اگر ہوتا تو واقعی بانی اسلام کے لخت جگر کے قتل و خون حقیقی بانیا ہاتھ نہ بھرتا تو اب فیصلہ کیا کیا جائے آیا تعزیہ رکھنے والے مشرک و بدعتی قرار پائے یا کوئی اور مگر ان کو اس سے کیا غرض بقول مردہ دوزخ میں جائے چاہیئے بہشت میں ان کے لئے تو حلوے مانڈے ہونا ضروری ہیں افسوس اہلبیت طاہرین کی دشمنی میں یہاں تک ہو رہا ہے کہ حسینؑ پر رونے کو قطعی بدعت کہتے ہیں بجائے اس کے فرماتے ہیں کہ اگر رونا ہی ہے اور ماتم ہی کرنا ہے تو گذرے ہوئے سال پر اور اپنے بد اعمالیوں کی فہرست پر روتے اگر رونا ہی تھا تو اسلام کی حالت زار پر روتے شاید کوئی اصلاح کی صورت نکل آتی یہ کیا کہ اپنی بدکرداریوں کو پس پشت ڈال کے دوسروں کی عیب جوئی کرتے ہیں کہ یزید ظالم تھا شرابخوار تھا جس نے امام حسنؑ کو شہید کرایا اور ان کے اہلبیت پر ظلم کئے اور جنھوں نے آل رسول کو تکالیف پہونچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ سنا آپ نے یہ ہیں سچے موحد خود پرست ملاؤں کے کارنامے

سب چیزوں پر رونا اور ماتم جائز ہے مگر امام حسین پر رونا اور ان کے دشمنوں کے کارنامے بیان کرنا قطعی بدعت ہے اور کیوں نہو جب حسینؑ پر روئے اور ان کے دشمنوں کے عقدے کھولے تو پھر اس سلسلہ کی کڑی بہت دور تک پہونچ جاتی ہے جس سے بڑی بڑی ہستیاں بے نقاب نظر آنے لگتی ہیں اور سارا بنا بنایا گھروندا تار عنکبوتی کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے اسی لئے واقعہ کربلا کو بار بار بیان کرنے سے روکا جاتا ہے کیونکہ بعض حق پرست وحق آگاہ اس خونیں واقعہ کو سنکر ظالموں کے ظلم کا اعتراف کر کے دین حق قبول کر لیتے تھے بالخصوص عشرہ محرم میں ہر سال کچھ نہ کچھ اسلام میں ترقی ہوتی تھی اس لئے ان مسلمان نما افراد سے دیکھا نہ گیا اور فوراً ایک جدید شور و شر ہنگامہ ہاگ شروع کر کے سب سے بڑے حاسد کی پیروی شروع کر دی اور بیچارے غریب مسلمانوں کا ایک علیحدہ پلیٹ فارم بنا کے مقابل میں کھڑا کر دیا جس سے کہ حسینی تذکرہ سنا تو در کنار خود انھیں لوگوں کو اس کے روکنے کی تلقین شروع کر دی مگر شکر ہے اوس خدائے بزرگ و برتر کا کہ انھیں لوگوں نے اس حد کو اچھی طرح محسوس کر لیا کہ یہ دراصل سب ہمارے ہی مٹانے کے لئے کیا جا رہا ہے یہ لوگ کسی خاص کمیٹی کے ایجنٹ ہیں جو اس طرح پر کنو منگ کر رہے ہیں اور دراصل واقعہ بھی یہی ہے اگر انسان ٹھنڈے دل سے غور کرے تو صاف سمجھ میں آ جائے گا کہ جب کو رسول اور آل رسول سے اتنی دشمنی ہے وہ بیلا کسی اور کو کیا سمجھے گا یہ بھی فقط اک آڑ ہے اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی تدبیریں تھیں جو عین موقعہ پر کھل گئیں اب انصاف شرط ہے مجالفین عزاداری کا یہ رویہ ملاحظہ فرمایئے کہ اپنے مخصوص نمبر کو ۱۲ محرم میں شایع کرنے کا اعلان کیا ہے یہ وہ دن ہے جس دن ہر مذہب اور ملت کے ہر محکمہ میں عام تعطیل ہوتی ہے یہ وہ دن ہے کہ کم از کم وقت تک مسلمان عورتیں اپنے شیر خوار بچوں کو دودھ نہیں دیتیں یہ وہ دن ہے کہ رسول کا بھرا گھر تاراج ہو گیا یہ وہ دن ہے کہ حسین منی و انا من الحسین کی رو سے رسول کی شہادت کا دن ہے جس پر سیاہ آندھیاں اوٹھیں۔ آسمان خون کے آنسو رویا۔ آفتاب کو گہن لگا مگر عین اوسی دن دشمنان عزا کے دفتر میں خوشی ہوگی قتل حسین کی عید ہوگی دشمنان عزا نئے لباس بدلے گا ایک دوسرے کو مبارکباد دے گا۔

سیاست کی توضیح ہوگی اور کیوں نہیں روز عاشورہ کربلا میں کوفیوں اور شامیوں نے وہ سیاست دکھائی جو قیامت تک نہ ہولے گی تو پھر دشمنان عزا عین اوسی دن ممانعت عزا کر کے اوں ہیں کوفیوں اور شامیوں کی روحوں کو کیوں نہ خوش کرے۔





ر ىد سھں مىں اىک ا سىرہ کا ىطر



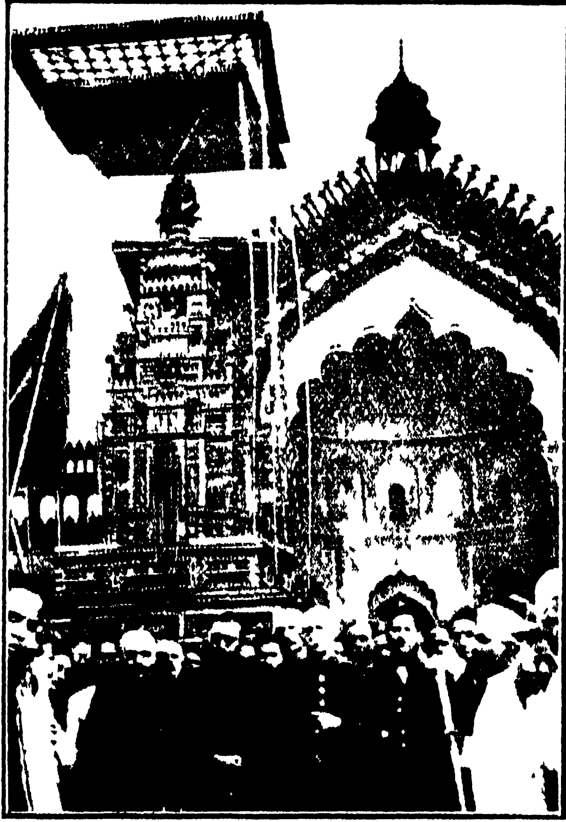
جلد سىں نوب اصف الدولہ ںا د ىد ىىدا
وا د ے اسھو



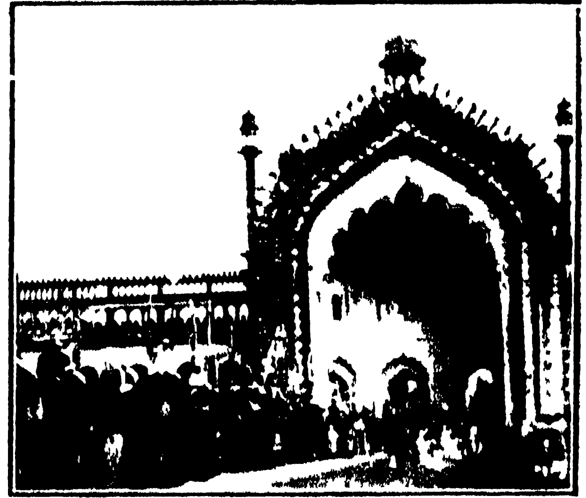
رومی دروازہ اصفی امام باڑہ آصفی



امامباڑہ آصفی سے موسی ضریح نکلنے کے قبل کا منظر



ضریح حسین آباد مبارک
و متولیان ذیشان پہلی صف میں



موسی ضریح حسین آباد کا جلوس رومی دروازہ
سے برآمد ہو رہا ہے



متولیان وقف شاہ نجف و سکریٹری صاحب
اوقاف شاہی



شاہ نجف کی مجلس

باسمہٖ تعالیٰ

آزادی

(نوشتہ عالیجناب مولانا ابرار حسین صاحب پاروی مدظلہ ممتاز الافاضل پروفیسر جامعہ سلیمانیہ پٹنہ)

دنیا میں کچھ حقیقتیں ایسی ہیں جن کا تصور بھی خوش کن اور خوشگوار ہوتا ہے جسے ہر ذی فہم انسان حاصل کرنا اپنا اولین فریضہ سمجھتا ہے اور اُس سے متصف ہونے کی ان تھک کوششیں کرتا ہے۔ یوں ہی کچھ مفاہم ایسے بھی ہیں جن سے ہر شخص کو فطری نفرت ہوا کرتی ہے اور کبھی اُس لفظ کو اپنے لئے گوارہ نہیں کرتا جیسے عزت وذلت۔ ظلم وعدل وغیرہ وغیرہ۔ عزت وہ آئینہ ہے جس کے اندر ایسی حسین تصویریں نظر آتی ہیں جن کو دیکھکر انسان پر اک خاص کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور ہر عقلمند مخلوق یہی چاہتا ہے کہ اس تصویر سے اپنے کاشانۂ دل کو آراستہ کرے۔ اسکے مقابلہ میں ذلت کا لفظ وہ ہیبت ناک لفظ ہے جس کے سایہ کے قریب بھی جانا کوئی پسند نہیں کرتا انسان ذلیل حرکتوں کے ارتکاب کے باوجود اپنے لئے ذلیل کا لفظ سننا پسند نہیں کریگا اسی عنوان سے ظلم ہے کیسا ہی کوئی ظالم کیوں نہ بدیسیم ہی کیوں نہو جائے لیکن ظالم کا لفظ سننا اسے گوارہ نہ ہوگا۔ اگرچہ دنیا اس خطاب سے مخاطب کرنے پر مجبور ہوگی مگر خود اُس ظالم انسان کی یہی خواہش ہوگی کہ اُسے عادل پکارا جائے۔ آزادی انھیں خوش قسمت لفظوں میں سے ہے جس کے لئے دنیا کے دستہائے طلب بڑھتے ہیں اور ہر شخص کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ حُر جیسے عزت دار لقب سے پکارا جائے خصوصًا آج تک تو ہر طبقہ میں آزادی کی پکار ہے دنیا کی ہر قوم اپنی مجلسوں اور کونسلوں میں اسی کا دم بھرتی ہے اس کا مفہوم وہ خوشگوار خواب ہے جس کے دیکھنے کی ہر شخص خواہش رکھتا ہے یہ جس قدر دنیائے مغرب میں محبوب ہے ویسے ہی مشرقی دنیا میں بھی مرغوب۔ عالم کا گوشہ گوشہ دامن پھیلائے اسی کی فکر میں سرگرداں ہے ہر زبان پر اسی کا نعرہ ہے (حُرّیت حُرّیت) وہ کون ہے جس کو اس کے حاصل کرنیکی فکر نہو اس سے ملنے کا خیال نہو مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس کی حقیقت کو روشناس عالم کس نے کیا آزادی کے صحیح مفہوم کا رواج کن ہاتھوں سے ہوا اس کے حقیقی وجود کا باعث وہ ہوا جس نے اپنا خون بہا کر انسانیت کے سچے مفہوم کو واضح کیا وہ کون! وہ حقانیت وصداقت کا حامی عزت وشرافت کا علمبردار حرّیت کی جان۔ وفا کی روح۔ انسانیت کا محسن فاطمہؑ کا لال۔ رسولؐ کا لخت جگر۔ علیؑ کا فخر۔ حسین ابن علیؑ اگر یہ مظلوم کربلا میں آکر حق وباطل کی جنگ نہ کرتا تو اس کا مفہوم ہمیشہ کے لئے محتاج تعارف رہتا۔ حق وصدق کی دنیا اُس مجاہد پر صدقے جس نے انسانیت کا بہترین درس دے کر انسان حقیقی بننے کا صحیح راستہ دکھلایا۔ واقعہ کربلا درحقیقت انسانیت کا وہ مکمل سبق ہے جو صفحۂ ارض کربلا پر بنی ہاشم کے خون کی روشنائی اور وفاداروں کی انگشت شہادت سے لکھکر دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔ حسین مظلومؑ کی شہادت آزادی کا وہ علم ہے جس کے پھریرے کی چھاؤں میں دنیا کی متمدن قومیں شرافت وعزت حریت وآزادی کی مطمئن سانسیں لے سکتی ہیں۔ حسینؑ سے بیعت [illegible] کی جاتی ہے پیغام آتا ہے کہ شراب خوار کی بیعت کرو اسلا [illegible] دعوت قتل کی

قربانیٔ وفا

(نتیجہ فکر بلند جناب آغا اشہر صاحب لکھنوی پروفیسر انٹر کالج جھانسی)

حق پر نثار کون ہو جب یہ ہوا سوال
قدرت کے انتخاب میں آیا علی کا لال

اک پاک روح جامۂ خاکی میں آگئی
وہ مشت خاک کیا تھی کہ مجموعۂ جمال

ظاہر میں اوس کو کہئے نواسہ رسول کا
دراصل تھا وجود نبوت کا اک کمال

عام اُس کے خوں سے ہوا مفہوم حُرّیت
تھا اوس کی بیکسی میں بھی اسلام کا خیال

قوم اُس کا نام لیتی رہی قرن بعد قرن
قوم اُس کا جام پیتی رہی تا ہزار سال

کیا تھی وہ شے جو روح کو بدمست کر گئی
اُس تُندمے کا تم نے نکالا کبھی زلال

سوچو! کہ کیا حسینؑ کا تھا مطمحِ نظر
قربانیِ وفا کا فقط غم نہیں مآل

دھمکی دیجاتی ہے موت سے ڈرایا جاتا ہے مگر آزادی ضمیر کو باقی رکھنے کے لئے خدا کا سچا بندہ تلوار کی دھار میں موت کے فرشتہ کی تصویر دیکھکر خوش ہوتا ہے یزیدی بیعت میں شریعت کے علاوہ آزادی ضمیر کے گلے پر چھری چل رہی تھی اس لئے میرے غیرت دار آقا نے قتل ہونا گوارا کیا لیکن اسلام کو بچاتے ہوئے اپنے گلے میں غلامی کی زنجیر ڈالنا پسند نہ فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ اور امام حسنؑ نے جس طرح خلفار کی بیعت کر لی یوں ہی حسینؑ کو مناسب تھا کہ اپنے بزرگوں کی طرح یزید کی بیعت کر لیتے اور جنگ کا محاذ قائم نہ کرتے اس کے متعلق پہلے تو یوں عرض کیا جا سکتا ہے کہ جس طرح حضرت علیؑ و امام حسنؑ و حسین امامت میں مساوی تھے کیا اسی طرح خلفار ثلثہ اور یزید بھی مساوی حیثیت رکھتے تھے غالباً ہر شخص یہی جواب دے گا کہ ایسا نہیں ہے تو پھر وہاں کی بات یہاں کیونکر پیش کی جا سکتی ہے سب سے اہم اور قابل توجہ امر یہ ہے کہ اُس دور خلافت میں جو بیعت لی جاتی تھی اُس میں رسول کی اطاعت وحدانیت جناب باری کا اقرار لیا جاتا تھا غلامی کا عہد و پیمان نہیں ہوتا تھا مگر یزید جب بیعت لیتا تھا تو اُس میں غلامی کا بھی اقرار کرنا پڑتا تھا۔ جس کو کوئی غیرت دار پسند نہیں کر سکتا۔ ابن قتیبہ کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں بیعت یزید کے متعلق تحریر کرتے ہیں ولیکن اوّل من بیایعک من قومنا واھلنا الحسینؑ وعبد اللہ ابن عمر وعبد اللہ ابن عباس وعبد اللہ ابن زبیر وعبد اللہ ابن جعفر ویحلفون علی ذلک لجمیع الایمان اللازمۃ ویحلفون بصدقۃ اموالھم وحریۃ رقیقھم وطلاق نسائھم بالثبات والوفاء بما یعطون من بیعتھم (ماحصل ترجمہ۔ سب سے پہلے ہماری قوم اور اہل میں سے حسینؑ اور عبد اللہ ابن عمر اور عبد اللہ ابن عباس اور عبد اللہ ابن زبیر اور عبد اللہ ابن جعفر سے بیعت لینی چاہیئے اور تمام طرح کی قسمیں اور حلف اس بات پر سے لیا جائے کہ اُن کا مال صدقہ قرار پائے اُن کے غلام اور لونڈیاں آزاد ہو جائیں اور عورتوں کو طلاق ہو جاوے) اس قسم کا عہد و پیمان کسی شریف انسان سے ممکن تھا کہ ایسی قسمیں کھا کر حلقۂ بیعت میں داخل ہو یہی وجہ تھی کہ آزادی کا علمبردار معاملۂ بیعت میں فرمایا کرتا تھا لا اقرکم اقرار العبید (یعنی غلاموں کے ایسا اقرار کرنے کو تیار نہیں ہوں) اگر حسینؑ آج یزید کی بیعت کر لیتے تو اسلام کی ساری محنتیں ضائع و برباد کر دیتے۔ حسینؑ کا جہاں یہ فرض تھا کہ اسلام کی حفاظت کریں اور ایمان کے قلعہ کو منہدم نہ ہونے دیں وہاں یہ بھی لازم تھا کہ اپنے بزرگوں کے کارناموں میں چار چاند لگا کر مفہوم حریت کو دنیا پر ظاہر کر دیں۔ اگر آزادی کے حقیقی مفہوم کو کسی نے سمجھا ہے اور دنیا کو سمجھایا ہے تو وہ حسینؑ ابن علیؑ کی ذات ہے۔ حسینؑ نے بہتر جوان مرد جن میں کچھ دل کے ٹکڑے تھے تو کچھ آنکھوں کے نور۔ کوئی قوت بازو تھا کوئی قوت دل۔ کوئی کونل جوان تھا تو کوئی شیر خوار کسی کے بڑھاپے پر جوانی رشک کرتی تو کسی کے بچپنے پر شباب صدقے ہو رہا تھا۔ غرض ایسی بیش قیمت ہستیاں راہ خدا میں فدیہ دینا گوارہ کرتے ہیں لیکن ایک شرابخوار فاسق کی بیعت کر کے اسلام کے ساتھ ساتھ اپنی شرافت و غیرت حریت مطلقہ اور آزادی کامل کو فنا کرنا نہیں چاہتے۔ آزادی کا اصل مفہوم یہ ہے کہ ہاتھ ہتھکڑیوں سے جکڑے ہوں پاؤں میں بیڑیاں ہوں۔ لیکن دل حوالے حکومت ربانی کسی حکومت کو پسند نہ کرے۔ حسینؑ کا یہی مقصد تھا کہ انسان

تاثیر شہادت

(نتیجۂ فکر بلند جناب سید علی مقدس صاحب رضوی مدظلہ مقدس اکبرآبادی۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (علیگ) پریسیڈنٹ انجمن محمدیہ آگرہ)

ادھر مقتل میں قتل شاہ کی تدبیر ہوتی ہے — اُدھر تسکین روح مادر شبیر ہوتی ہے

زبان دکھلاکے اصغر نے رلایا فوج اعدا کو — عجب انداز کی معصوم کی تقریر ہوتی ہے

جسے کہتی تھی دنیا ہم شبیہہ احمد مرسل — نہاں اب موت کے پردے میں وہ تصویر ہوتی ہے

ارے اے کوفیو یہ ظلم ہے کیوں آل احمد پر — ستاتے ہیں اُسے جس سے کوئی تقصیر ہوتی ہے

زباں صرف دعا ہے اس طرف امت کی بخشش میں — رواں اُس سمت حلق شاہ پر شمشیر ہوتی ہے

فنا ہو کر بقا پانا ہمارا خاص شیوہ ہے — ہمارے خون سے اسلام کی تعمیر ہوتی ہے

علی اصغر کے گہوارے کو جاکر دیکھ لیتی ہے — بہت بے چین جبدم مادر بے شیر ہوتی ہے

صفایا دو گھڑی میں کر دیا شبیر کے گھر کا — کہیں یوں بھی کسی سے موت دامنگیر ہوتی ہے

ستمگارو یہ تم سجاد کو بیڑی پنہاتے ہو — امام وقت کے پیروں میں بھی زنجیر ہوتی ہے

سر شبیر روتا ہے برابر نوک نیزہ پر — جو مائل بد دعا کے واسطے ہمشیر ہوتی ہے

رسن بستہ کوئی ہے سر کسی کا نوک نیزہ پر — نبی کی آل کی کیا عزت و توقیر ہوتی ہے

شہید کربلا کا ذکر جو سنتا ہے روتا ہے — عجب اس داستاں سے قلب پر تاثیر ہوتی ہے

اُداسی چھائی رہتی ہے محرم کے زمانے میں
مقدس کائنات اس دور میں دلگیر ہوتی ہے

فنا ہو جائے لیکن انسانیت زندہ ہو جائے۔ مومن قتل ہو جائیں لیکن ایمان بچ جائے۔ دنیائے کربلا اسلام و شرافت کو ذبح کرنا چاہتی تھی فاطمہ کا لال اپنا گلا تہ تیغ رکھدینے کو تیار ہوگیا اور ان چیزوں کو بچا لیا۔ اگر حسینؑ چاہتے تو ایک ہاتھ میں سارے لشکر یزید کا خاتمہ کر دیتے جس کا ثبوت تاریخیں پیش کر سکتی ہیں۔ مگر مجبوری یہ تھی کہ اگر حسینؑ بچتے تو اخلاق حمیدہ اور صفات حسنہ ذبح ہو جاتے۔ حسینؑ عاشور کو مصروف کارزار تھے کہ دفعتاً کچھ فریادیں حسین کے کانوں تک پہونچی جن نے حسینؑ کو جنگ سے بالکل روک دیا۔ اہلبیت کے نوحہ و فریاد کے علاوہ انسانیت کی فریاد تھی۔ شرافت کی صدا تھی کہ آقا میری مدد آپ پر لازم ہے۔ اسلام پکارا حسینؑ مجھے بچاؤ۔ صبر کہتا تھا میری مثال قائم کیجئے۔ عزم و استقلال پکارا کہ میں کس کے سہارے دنیا میں زندہ رہوں۔ حریت بولی کہ فرزند رسولؐ میرا وجود ہمیشہ کے لئے محتاج تعارف رہ جائے گا اے غلاموں کے ہمدرد آقا و مالک مدد کیجئے۔ سید الشہداؑ اسلام کی حمایت کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کی نصرت کی طرف بڑھتے ہیں۔ نانا کی محنت یاد کر کے تلوار قبضہ میں رکھدیتے ہیں۔ کہاں ہیں حریت و آزادی کا دم بھرنے والے آئیں کربلا کے تپتے ہوئے میدان میں حسینؑ کے عزم و استقلال کے بہتے ہوئے سمندر میں آزادی کی ناؤ کو دیکھیں جس کو اک بھوکا۔ پیاسا۔ ناخدا اپنے کمزور بازوؤں سے کھیتا ہوا شرافت و غیرت کے ساحل پر لگا رہا ہے۔ صحیح آزادی حاصل کرنے والے اس مظلوم کی سیرت کو خضر راہ بنا کر وادیٔ مقصود کو طے کریں۔

قطعات

(نتیجۂ فکر بلند جناب سید مرتضیٰ حسین صاحب رضوی سحر بلگرامی۔ بی۔ اے آنرز۔ ایم۔ اے پروفیسر آئی ٹی کالج لکھنؤ یونیورسٹی)

اسلام بہ مصطفےٰ و حیدر نازد
ایماں بہ حق و حق بہ سرور نازد
ہر زخم سناں بہ قلب اکبر نازد
خلاق جہاں بخون اصغر نازد

دیگر

بوقت عصر زمیں را تپاں ہمی بینم
فلک را نالہ و ماتم کناں ہمی بینم
چگونہ گریہ نجوشد بروز عاشورہ
سر حسینؑ بہ نوک سناں ہمی بینم

ذوالجناح

شبیہ رہوار فرزند رسولؐ

(نوشتہ عالیجناب سید نواب علی صاحب سفیر سندیلوی)

ذوالجناح یا دُلدُل۔ اُس گھوڑے کا نام ہے جو ۶۱ھ میں عاشور محرم کو بمقام دشت کربلا فرزند رسولؐ حسینؑ ابن علی کی سواری میں تھا۔ محبان حسینؑ امام مظلوم کے رہوار کی شبیہ ایام عزا میں بنا کر اپنے آقا کی مظلومیت اور بیکسی کو یاد کرتے ہیں۔ ذوالجناح کی شبیہ میں کیا ہوتا ہے۔ ایک گھوڑا جس پر سرخ داغدار کپڑے کی چادر پڑی ہوتی ہے۔ ڈھال تلوار لگی ہوتی ہے ایک عمامہ زین پر رکھا ہوا جس پر تیر لگے ہوئے۔ جس کی صورت اور حالت دیکھکر امام مظلوم کے اسپ باوفا کی تصویر پیش نظر ہو جاتی ہے۔ اور فرزند رسول پر فوج یزید کے ظلم و ستم کا اندازہ ہوتا ہے۔ دل بھر آتا ہے آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں یہی شبیہ ذوالجناح انسان کے لئے عبرت کا ایک سبق ہے اور درس فاقت ہے۔ اس کے علاوہ ذوالجناح میں اور کوئی بات نہیں۔ گھوڑا یا جو سامان مذکورۂ بالا اُس کے لئے استعمال ہوتا ہے ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں۔ جو شریعت اسلام کے خلاف ہو۔ بلکہ شبیہ ذوالجناح جذبہ محبت کی ایک دلیل ہے۔ ہاں شبیہ ذوالجناح بنانے کے بعد محبان حسینؑ اُس کا احترام کرتے ہیں۔ اور یہ احترام عین اخلاق محمدی۔ جائز اور ضروری ہے۔ جس کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

کعبہ کی شبیہ

خانہ کعبہ کی شبیہ مسجد۔ اپنی مرضی کے موافق ہر مقام پر اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے اینٹ اور چونے سے خود اپنے ہاتھوں سے بنا کر جس طرح ہر مسلمان پر مسجد کا احترام لازم ہو جاتا ہے۔ اُسی طرح شبیہ ذوالجناح کا

قران کی شبیہ

اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے کاغذ پر اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی روشنائی سے لکھکر۔ اپنے ہی ہاتھوں تیار کئے ہوئے قرآن کا احترام جس طرح ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اُسی طرح شبیہ ذوالجناح کا۔ قرآن کی دفتی قرآن کا جزدان قرآن کی متعلقہ ہر شے جس طرح قابل احترام ہے اُسی طرح شبیہ ذوالجناح کی ہر چیز

محمل کی شبیہ

ہر سال حج کے موقع پر اُم المومنین (حضرت عائشہ) کی محمل کی شبیہ مصر سے مکہ معظمہ میں بڑی تزک اور احتشام سے لائی جاتی ہے۔ محمل کا سامان عمر...

کے ہاتھ کا بنا یا ہوتا ہے محمل کا اونٹ ملک مصر کی کسی اونٹنی کا بچہ ہوتا ہے۔ لیکن اپنی ہی بنائی ہوئی محمل شریف کی مسلمان تعظیم کرتے ہیں آنکھوں سے لگاتے ہیں بوسہ دیتے ہیں۔ ملک الحجاز ابن سعود کو محمل شریف کے ذریعہ سے کافی مالی نفع پہونچتا ہے اس لئے سلطان نجد نے بھی محمل شریف کے احترام کو جائز قرار دے لیا۔ پھر شبیہہ ذوالجناح پر جو فرزند رسول کے رہوار کی شبیہہ ہے کس کو لب کشائی کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

اور جس طرح

لکھنؤ کے امام اہلسنت کے ارگن النجم نے خلافت نمبر میں رسول اللہ کے نعلین کی فرضی تصویر کاغذ پر چھاپی ہیں اور اس شبیہہ نعلین شریف کو مسلمان چومتے تھے آنکھوں سے لگاتے تھے۔ اُسی طرح شبیہہ ذوالجناح قابل احترام ہے۔ اور یہ احترام عین اخلاق محمدی۔ شریعت اسلام اور رسم ورواج کے مطابق ہے اور محبت کی ایک دلیل ہے۔

پس

جو لوگ شبیہہ ذوالجناح کے مخالف ہیں۔ اُس کے احترام پر مضحکہ اُڑاتے ہیں اُن کے دلوں میں یقیناً اہلبیت رسول کی عداوت ہے۔ محبت والے حسین کا غم بھی منائیں گے۔ اور شبیہہ ذوالجناح بھی بنائیں گے۔ اور عداوت والے حسین کا غم مٹائیں گے۔ اور شبیہہ ذوالجناح کو دل آزار تصور کریں گے۔ یہ محبت اور عداوت کا فطری مسئلہ ہے ؎

بدل سکتا نہیں کرب وبلا کی داستاں کوئی
مٹا سکتا نہیں مظلوم کا نام ونشاں کوئی

شبیہہ ذوالجناح میں درس اخلاق

شبیہہ ذوالجناح۔ محض گریہ وبکا کے لئے نہیں ہے بلکہ اس میں ایک زبردست اخلاقی سبق ہے۔ دراصل جنگ کربلا میں حسین کا کوئی عمل بے نتیجہ نہ تھا حسینؑ کے ساتھ جو سامان کربلا میں تھا اُن میں سے ہر شے حیات انسانی کو سنوارنے والی اور اصلاح عالم کا ایک مکمل نظریہ ہے دشت نینوا میں جو گھوڑا حسین کی سواری میں تھا وہ بظاہر ایک بے زبان حیوان تھا لیکن اس حیوان بے زبان نے اپنے طرز عمل سے انسان کو شرمندہ کر دیا۔ ملک عرب کے اُن مسلمانوں کے منہ میں ٹھوکر ماردی۔ جنھوں نے محض طمع دنیوی میں دین اسلام کا کلمہ پڑھا۔ یہ حسین کے بے زبان باوفا رہوار کے مقابلہ میں بدتر از حیوان دنیا میں ثابت ہوے۔ یہ ہزاروں مسلمان جو کوفہ سے کربلا تک ٹڈیوں کی طرح پھیلے ہوے تھے جن میں بعض صحابی رسول کے بیٹے تھے۔ بعض حافظ قرآن تھے بعض عالم وفاضل تھے بعض ایسے بھی تھے۔ جنھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وکانوں سے سنا۔ کہ رسول اللہ اپنے فرزند حسین کو کس قدر چاہتے تھے۔ جن کی خاطر رسول اللہ اونٹ بنے پشت پر سوار کیا سجدہ کو طول دیا۔ جن کے بارہ میں فرمایا ان کا گوشت میرا گوشت ہے ان کا خون میرا خون ہے۔ باوجود اس علم ویقین کے۔ انھی مسلمانوں نے لخت جگر رسول کو بھوکا پیاسا۔ میدان کربلا میں قتل کر ڈالا۔ خاندان رسالت کو تباہ کر دیا۔ اہل حرم کو اسیر کیا۔ ان بدترین خلائق مسلمانوں کے مقابلہ میں۔ ایک بے زبان حیوان حسین کا باوفا رہوار بہترین ثابت ہوا۔

رہوار حسینیؑ

میدان کربلا میں رہوار حسینی بھی ساتویں محرم سے پیاسا تھا جو چند بار دریائے فرات پر گیا لیکن نہ حسین نے پانی پیا نہ اُس باوفا رہوار نے پانی میں منھ ڈالا۔ عاشور محرم کو ذوالجناح نے جو حق رفاقت ادا کیا وہ بنی نوع انسان کے لئے بہت بڑا سبق ہے۔

عاشور محرم کو بعد زوال آفتاب جب حسین نے وعدہ طفلی وفا کرنے کیلئے ذوالفقار نیام میں رکھ لی۔ اور سر گھوڑے کی گردن پر جھکا دیا۔ فوج یزید نے فرزند رسول کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور اتنا زخمی کر دیا۔ کہ گھوڑے پر سنبھل نہ سکے۔ اس موقع پر اسپ باوفا نے پیر زمین پر ٹیک کر گردن جھکا دی تاکہ فرزند رسول آسانی کے ساتھ زمین پر آجائیں لیکن جسم اقدس پر اتنے تیر لگے تھے۔ کہ وہ تیروں پر معلق ہو گیا۔ جب شمر ملعون فرزند رسول کو ذبح کرنے کے لئے بکمال بے ادبی ایک نشیب کی جانب لے گیا۔ تو اسی اسپ باوفا نے خیام اہلبیت پر خبر شہادت پہونچائی خون میں تر بتر گھوڑا خیام اہل حرم کی جانب گیا۔ اور درخیمہ پر اپنا سر ٹپکنے لگا گھوڑے کو خون آلود اور خالی دیکھ کر سب کو معلوم ہو گیا کہ حسین قتل ہو گئے۔

بعد شہادت حسینؑ

ذوالجناح نے تمام رات لاشہائے شہدا کی مقتل میں حفاظت کی۔ اور بار بار در خیمہ پر آکر خیام اہل حرم کی پاسبانی کرتا تھا۔ اور یہ حیوان بے زبان اپنے جذبہ رفاقت میں فوج یزید میں گھس گیا۔ اور اپنی ٹاپوں سے بعض اشقیا کو واصل جہنم کیا۔

بالآخر

فوج یزید نے ذوالجناح پر تیر مارنا شروع کئے اور امام مظلوم کے باوفا رہوار کو تیروں سے ہلاک کیا

ذوالجناح نے

جو بے زبان حیوان تھا۔ جنگ کربلا میں۔ فرزند رسولؐ کی بھوک اور پیاس کا ساتھ دیا میدان جنگ میں ثابت قدم رہا۔ جب فرزند رسول میں پشت رہوار پر سنبھلنے کی طاقت نہ رہی۔ تو اپنے پیر زمین پر ٹیک کر گردن جھکا کر آسانی اُتارنے کی کوشش کی۔ خبر شہادت درخیمہ پر پہونچائی۔ مقتل میں شہیدوں کی لاشوں کی حفاظت کی۔ خیام الحرم کی پاسبانی کی۔ فوج یزید میں گھس کر فرزند رسول کے خون ناحق کا انتقام لیا۔ اور بالآخر اپنی جان نثار کر دی۔ ذوالجناح نے اس شان سے بنی نوع انسان کو ایک بہترین رفاقت کا سبق دیا شبیہہ ذوالجناح واقعہ کربلا کی ایک مکمل تصویر ہے ؎

بن کے شبیہہ جب نظر آتا ہے ذوالجناح
سب حال کربلا کا بتاتا ہے ذوالجناح

شیعہ اور گریہ

(نوشتہ عالیجناب سید محمد باقر طباطبائیؒ لکھنوی)

مجھے اس کا احساس ہے کہ میں ایک نازک مسئلہ پر اظہار خیال کرنا چاہتا ہوں لیکن میرا پُرخلوص مقصد اصلاح کی تجویز ہے اس لئے جو باتیں میں عرض کروں انھیں سُن ضرور لیا جائے پھر جو مشورے معقول معلوم ہوں اُنھیں شرف پذیرائی بخشا جائے اور جو گذارشیں مناسب نہ سمجھی جائیں اُنھیں بے تکلفی کے ساتھ رد بھی کر دیا جائے۔

اصل مضمون پر بحث کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ واقعۂ کربلا کی اصلی غایت پر سرسری نگاہ کر لی جائے۔ یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ شہادت حسینؑ ذبح اسمٰعیلؑ کا تتمہ قرار دی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات میں خداوند عالم نے ایسی شخصیت ظاہر فرمائی تھی جس نے حکم باری کی تعمیل کے لئے اپنا محبوب ترین فرزند قربان کر دینے پر کمر باندھلی۔ خلیل اللہ معرض امتحان میں آئے اور کم عمر اسمٰعیلؑ کو خاک پر لٹا دیا قربانی کے تمام لوازمات بجا لائے اور چھری کو حرکت بھی دی لیکن ؎

طفیان نادیہی کہ جگر گوشۂ خلیل
آید بروز بہ تیغ و شہیدش نمی کنند

رازہائے دل جاننے والے نے باپ اور بیٹے کے جذبۂ تسلیم و رضا کا اندازہ کر لیا اور کامیابی کی سند بھی عطا فرما دی۔ دنیا کو معلوم ہو گیا کہ بارگاہ عزوجل سے خلت کا مرتبہ دل و جگر کی قوت آزما کر عطا ہوتا ہے اور ایثار و قربانی کے لامحدود ثابت ہونے کے بعد۔

انسانیت اب بھی ارتقائی منازل طے کر رہی تھی۔ قدرت کو ابراہیمؑ سے بزرگ تر ہستی میدان عمل میں لانا منظور تھی مصیبت پر صبر و سکون کے ساتھ جبین نیاز جھکا دینا اور ہے۔ نزول بلا پر شکر کے سجدہ ہائے خلوص بجا لانا ایک نفس مطمئن نے کربلا کے میدان میں دکھا دیا ؎

اُس کے نثار جو تھا سجدے میں زیر خنجر
تپتی ہوئی زمیں پر خوں میں بھری جبیں سے

وہاں اسمٰعیلؑ کے لئے جنت سے فدیہ آ گیا تھا اور ذبیح اللہ اپنی مادر گرامی کی خدمت میں صحیح و سالم پہونچ گئے تھے۔ یہاں حسین علیہ السلام بھی اپنی دکھیاری ماں سے جنت میں ملے لیکن کچھ عجب انداز سے جسم اطہر کٹھائے زخم سے لالہ زار اور سر اقدس پر ابن آدم کی شفاعت کا تاج ؎

اک خونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین بنا کر دنیا میں بھیجے گئے تھے۔ سلسلۂ نبوت ختم ہو رہا تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ کار تبلیغ پر مہر دوام ثبت کر دی جائے۔ حسینؑ نے اس مہم عظیم کا بیڑا اٹھایا اور اپنے اعداد کی جانفشانیوں کو بقائے ابدی کے دامن سے ہمیشہ باندھ دیا۔ خون شہیداں سے بڑھ کر بھلا کون اس کی اہلیت رکھتا تھا ؎

کو اس نے تعلق کشتی دین شہ نے روک لی
اک اک لہو کی بوند کو لنگر بنا دیا

اسلام کا یہ دعویٰ کہ وہ ہر ملک و قوم کے لئے آیا ہے اور یہ کہ اُس کا نظام رہتی دنیا تک قائم رہے گا واقعۂ کربلا کے بعد قابل قبول ٹھہرتا ہے۔ حسینؑ اور ان کے بھوکے پیاسے ساتھیوں کا محض حق کی پیروی کے جرم میں انتہائی بیدردی سے قتل کر دیا جانا، ان کے اہلبیت کا اسیر ہونا اور عرب کے ننگ و ناموس کو پس پشت ڈال کر تشہیر کیا جانا ایسے مصائب ہیں کہ درد دل رکھنے والے انسان پر اثر کئے بغیر نہیں رہتے۔ اس عالمگیر ہمدردی میں اسلام کے باقی رہنے کا راز ہے ؎

قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

ماتمِ حسینؑ

(نتیجۂ فکر بلند مدارج آل محمد جناب مرزا کاظم حسین صاحب محشر مدظلہٗ لکھنؤ)

پیاسے کا ہے ماتم شہِ دلگیر کا ماتم
میت کو سنبھالے ہوئے ہیں ہاتھ رُکے ہیں
شبیر نے تیر اپنے بھی سینے پہ ہے کھایا
آتے ہی محرم کے کھلے تعزیہ خانے
عابد کی اسیری پہ قیامت ہے قیامت
گھر فاطمہ زہرا کا لٹا کرب و بلا میں
خیمے سے صدا آتی ہے ہے ہے علی اکبر
عباس ہوں قاسم ہوں کہ اکبر ہوں کہ اصغر
کانپے ہیں فلک اور زمیں کو ہوئی جنبش
رانڈوں کے کھلے بالوں سے اندھیر ہوا ہے
بیکار نہیں نوحہ گری اہل عزا کی
ہر ایک عزا خانہ ہے دربار حسینی
ملبوس عزا اُترے گا ہرگز نہ ابد تک
اکبر کے جنازے پہ قیامت ہوئی برپا
مٹ جائیں گے وہ جو کہ مٹانے پہ تُلے ہیں
شیعوں کے دلوں میں ہے بنی قبر حسینی

شبیر کا ماتم کرو شبیر کا ماتم
کیونکر کریں سفر اصغرِ بے شیر کا ماتم
جی بھر کے کیا اکبرِ دلگیر کا ماتم
ہر گھر میں بپا ہو گیا شبیر کا ماتم
کیوں ہو نہ عزاداروں میں زنجیر کا ماتم
کیونکر نہ ہو الٹی ہوئی تقدیر کا ماتم
محبوب الٰہی کی ہے تصویر کا ماتم
ہر لاش پہ ہے شاہ کی ہمشیر کا ماتم
یوں ماں نے کیا اصغرِ بے شیر کا ماتم
شبیر کی میت پہ ہے ہمشیر کا ماتم
عابد کی اسیری پہ ہے زنجیر کا ماتم
یوں شیعوں میں ہے صاحبِ توقیر کا ماتم
موقوف نہ ہوگا فلکِ پیر کا ماتم
اس زور پہ ہے زینبِ دلگیر کا ماتم
تا حشر رہے گا یونہیں شبیر کا ماتم
یوں ظاہر و باطن ہوا شبیر کا ماتم

محشرؔ دلِ بسمل کا لہو آنکھوں سے ٹپکا
یوں ہم نے کیا خسروِ دلگیر کا ماتم

وہ کشتۂ غم جس پر زمین و آسمان خون کے آنسو روئے اگر انسانوں کے قلوب نرم کردے تو حیرت کی بات نہیں۔ تعجب اُن سے کرنا چاہیے جو اس شہید راہِ خدا کے حالات سیں اور مژہ تر نہ کریں۔ شیعیانِ علیؑ کو اہلبیت رسولؐ سے جو قلبی تعلق ہے اُس کا تقاضا ہی یہ ہے کہ نام حسینؑ سُن کر دل جذبات غم و الم کا نشیمن بن جائے اور بے اختیار سیل اشک آنکھوں سے جاری ہو جائے۔ اس سے بڑھ کر لائق توجہ یہ واقعیت ہے کہ اُن کے فضائل و مناقب ہمیں گریہ پر جوش مسرت کی حالت میں مجبور کر دیتے ہیں۔ میں اس بات کو قابل صد افتخار سمجھتا ہوں اور شاید میرا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مسلمانوں کا کوئی فرقہ رسول کریم کے کسی حکم کی پابندی اُس شد و مد اور خلوص کے ساتھ نہیں کرتا جیسی حضرات شیعہ "قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ" کے حکم کی کرتے ہیں۔ یہ حقیقت کیسی خوشگوار اور امید افزا ہے لیکن انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ہمارا معیار محبت ناقص ہے۔ ہم ایک شدید غلط فہمی میں زندگی گذار رہے ہیں۔ ہمارا دعوئ محبت اُس وقت قابل ستائش ہو سکتا ہے جب ہم اپنے کو صحیح معنی میں محبت کرنے والا ثابت کر سکیں۔ کیا ہم حسینؑ کا مقصدِ حیات بُھلا کر اُن سے دوستداری کا ادّعا کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! ان کے مصائب پر اُن کے قاتل بھی رو دیئے تھے۔ اگر ہم بھی چند آنسو بہا لیں تو حق محبت ادا نہیں ہوتا۔ ہم اپنی تکلیفوں کا پامردی سے مقابلہ کریں اور حسینؑ کی تاسی میں باطل کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کریں اُس وقت ہمارا دعوئ محبت صحیح سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر ہم اپنی زندگی کا جائزہ لیں تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم اُن باتوں پر عمل پیرا ہیں جو اہلبیت علیہم السلام کو محبوب تھیں اور کیا ہم بتا سکتے ہیں کہ ہم اُن افعال سے اجتناب کرتے ہیں جن سے اُنھیں حد درجہ نفرت تھی؟ ایسی حالت میں بہتر ہوگا کہ ہم اُن کے مصائب پر رونے سے پیشتر اپنی حالت زبون و زار پر گریہ کریں۔

رسولؐ و آل رسولؐ کی مرکزی توجہ ہمیشہ انسانی دنیا میں مکارم اخلاق و محاسن عادات کی نشر و اشاعت کی طرف رہی ہے۔ اُن کی انتھک کوششیں اس لئے تھیں کہ اُن کے متبعین میں اُن کے اوصاف جمیلہ کا پرتو نظر آئے اور وہ اپنے عمل سے عالم کو یہ دکھا دیں کہ دنیا میں رہ کر آلائش دنیا سے کس طرح محفوظ رہا جاتا ہے، رنج و راحت کو کس طرح یکساں طور پر خدا کی نعمت سمجھا جا سکتا ہے اور حق و صداقت کی علمبرداری میں جان و مال سب کچھ کیونکر نثار کیا جا سکتا ہے۔ اُن ذوات مقدسہ نے مصائب و آلام اس لئے برداشت کئے تھے کہ اُن کی ہستی غیروں کے دلوں کو بھی اپنی طرف متوجہ کر سکے اور جب ان کی پاک زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد اُن کے اسوۂ حسنہ پر عمل کیا جائے تو انسان اپنی اور اپنے ہمجنسوں کی زندگی کو خوشگوار بنا سکے۔ اُن کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ اُن کے ماننے والے اُن کے مصائب پر تھوڑے آنسو بہا لیں اور پھر اپنے کو ہر عمل نیک کی ضرورت سے بری الذمہ سمجھ لیں۔ اسلام جو عمل اور محض عمل کو بزرگی کا معیار بتاتا ہے، جو کسی تفریق کو نہیں مانتا، جس میں شاہ و گدا تونگر و بینوا ایک صف میں نظر آتے ہیں خلاف عقل باتوں کو کیونکر روا رکھ سکتا ہے۔ خود امام حسینؑ روحی لہ الفداء کو اپنے مصائب سے زیادہ فوج یزید کی گمراہی کا غم تھا۔ علی اصغر معصوم کو سپرد خاک کرنے کے بعد حضرت کا یہ فرمانا کہ "اے فرزند مجھے تیرا غم بہت شاق ہے لیکن یہ امر اور بھی زیادہ تکلیف دہ ہے کہ اب مجھے اس کا یقین ہو گیا کہ یہ قوم راہ راست پر نہیں آ سکتی" میرے قول کا بیّن ثبوت ہے۔

بارہا ذاکرین سے سنا کہ اہلبیت نے انتہائی عسرت میں زندگی بسر کی۔ اُن کے لباسوں میں پیوند ہوتے تھے اور اُن کی غذا جو کی روٹی اور نمک سے متجاوز نہ ہوتی تھی۔ مگر یہ شاذ ہی گوشگذار ہو سکا کہ انھوں نے اپنے لئے ایسی زندگی کو کیوں پسند فرما لیا تھا۔ مال غنیمت کے حصے جنھوں نے دوسروں کو متمول بنا دیا تھا علی مرتضیٰؑ کے ہاتھوں میں بھی آئے تھے لیکن شیر خدا کی غیور طبیعت کو ناگوار تھا کہ لوٹ کا مال اپنے یا اپنے اہل و عیال پر صرف کرتے۔ وہ سب کا سب غربائے مدینہ پر تقسیم ہو جاتا تھا۔ جناب امیر کا اپنے کد یمین سے ایک ہزار غلام خرید کر آزاد کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت اپنے پیسے سے بھی آرام کی زندگی بسر کر سکتے تھے۔ آج ہم میں کتنے ناکارہ لوگ موجود ہیں جو زمین کھودنا اور باغوں میں پانی دینا تو درکنار تجارت کو بُری نظر سے دیکھتے ہیں۔ آج کتنے ہی دولتمند حضرات خدا کا خوف نہیں کرتے اور غریبوں کی مدد کرنے کے بجائے اُنھیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں ایسے زر پرستوں کو دولت پر غرور کرنے کے بجائے اُس سے شرم کرنا چاہیئے۔ اسیطرح اُن غربا کو جو قناعت کے غلط معنی سمجھے ہوئے ہیں اور اپنی حالت بہتر کرنے کی کوشش نہیں کرتے اپنے اور اپنے متعلقین پر رحم کرنا چاہیئے اور ہر ممکن طریقہ سے اکل حلال حاصل کرنے کی سعی کرنا چاہیئے۔ قابل تحسین وہ فقر ہوتا ہے جو زر و مال کو ٹھکرانے کے بعد اختیار کیا جائے ؎

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

اقبال کی مرتبہ شناسی قابل غور ہے۔ "شان اسد اللّٰہی" بڑی چیز ہے۔ "بوئے اسد اللّٰہی" فقر میں پیدا ہو جائے تو ساری دنیا کی جہانداری سے بہتر ہے۔

ذاکرین کے بیانات سے متعدد ایسے نظائر پیش کئے جا سکتے ہیں جنھیں سُن کر عوام الناس غلط نتائج پر پہنچ جاتے ہیں۔ وہ عظیم الشان واقعہ جس نے زندگی کے ہر شعبہ کے لئے اعلیٰ ترین مثالیں فراہم کی ہیں ہمارے ہاتھوں ایسی ناقدر شناسی کے عالم میں ہے کہ اُس سے افادیت کے عناصر ایک ایک کر کے غائب ہوتے جا رہے ہیں۔ بلکہ یہ میں نے کیا کہا؟ نہیں، ہم نے واقعۂ کربلا سے پورا پورا سبق نہیں لیا۔ انصار حسینؑ جان دینے میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے تھے۔ آج ہم بھی بعض مواقع پر حریفانہ جذبہ کے ماتحت شب بیداریوں پر کثیر رقمیں صرف کر دیتے ہیں۔ ماتمی انجمنیں اپنی مدمقابل انجمن کا راستہ روک کر سینہ کوبی کی قوت آزماتی ہیں اور کبھی کبھی جوش ولا میں ایک دوسرے سے دست و گریبان بھی ہو جاتی ہیں۔ شہید کربلا کے ساتھیوں نے تین دن کی بھوک پیاس میں جہاد کا فریضہ ادا کیا تھا سو ہم بھی "یا لیتنی کنت معکم" کہہ لیتے ہیں۔ اب اگر ہم سے روزہ نہ رکھا جائے یا نماز پڑھنے کی عادت نہ ڈالی جا سکے تو اس کو ہماری مصروفیتوں اور ذمہ داریوں کی کثرت پر مبنی سمجھنا چاہیئے۔ اعوان و انصار کی بیبیاں اپنے وارثوں کو حسینؑ پر قربان کرتی تھیں اور بعد شہادت اسیری کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتی رہیں۔ ہماری عورتیں ہمارے اعلیٰ سے اعلیٰ مقصد کے لئے بھی جیل جانے کے خیال سے لرزہ براندام ہو جاتی ہیں۔ آہ۔ آہ! ہم آب سرد پینے کے بعد امام مظلوم کی پیاس تو یاد کرتے ہیں لیکن اس پر اپنے کو آمادہ نہیں

کر سکے کہ جہاں اسلام کے ایک سچے فرزند نے حق کو باطل سے ممیز کرنے کے لئے اپنا خشک گلا کٹوا دیا تھا تو اگر ہم سے بھی حمایت حق میں کوئی ادنیٰ ہی قربانی طلب ہو تو ہم اُس سے دریغ نہ کریں۔

پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ آج ہندوستان میں شیعوں سے زیادہ غیر منظم اور ابتر کوئی دوسری قوم نہیں ہے۔ کیا ہم غیر منظم اور ابتر رہ کر صفحۂ ہستی پر باقی بھی رہ سکتے ہیں؟ ہندوستان کو مخلص وطن پرستوں کی ضرورت ہے جن کی تعداد ہمسایہ قومیں فراہم کر رہی ہیں۔ اگر آج ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو کل آنا د ہندوستان پر ہمارا کوئی حق نہ ہوگا اور ہم پر عرصۂ حیات تنگ ہو جائیگا۔ ہم میں علماء و فضلاء کی کمی نہیں، ہم میں ایسے عالی دماغ افراد موجود ہیں جن پر مادرِ وطن کو بجا طور پر ناز ہے۔ لیکن ہماری آشفتہ حال قوم کو سُدھارنے کے لئے سب یکساں طور پر بے کار ہیں۔ نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ سے میری اپیل ہے اب اپنے آپ کو دھوکے میں رکھنے کا وقت نہیں ہے۔ فرسودہ اور تباہ کن رسوم کو ترک کرو۔ کسی تقریب میں اپنی حیثیت سے بڑھ کر روپیہ خرچ نہ کرو۔ اس لئے کہ قرض لیکر صرف کرنا دو صورتوں سے خالی نہیں۔ نام و نمود حاصل کرنے کی غرض سے یا پچھلی شہرت کو محفوظ رکھنے کے خیال سے۔ دونوں صورتوں میں خلوص مع ثواب کے رخصت ہو جاتا ہے اور قرض لینے کا گناہ باقی رہ جاتا ہے۔ ہمارے قومی ادارے مفلوج آدمی کی طرح ناقص زندگی گذار رہے ہیں۔ اُن کی بے عنوانیوں کی خبریں تم تک پہونچتی رہتی ہیں اور بلاشبہ تمہارا ضمیر اُن بد انتظامیوں سے نفرت کرتا رہتا ہے۔ خدارا اس کا مصمم تہیہ کر لو کہ جب یہ ادارے تمہارے ہاتھوں میں آئیں گے تو تم ان خامیوں کو ہرگز روا نہ رکھوگے۔ مجلس حسینؑ ہمارے لئے نعمت عظمیٰ ہے۔ یہی ہماری بقا کا باعث رہی ہے۔ اس کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لو اور فلسفۂ شہادت دنیا والوں تک پہونچاؤ اور اپنی قوم میں اس سے تازہ روح پھونک دو۔ اغیار تمہیں "ملت گریہ کُن" کہتے ہیں۔ اُٹھو اور دنیا کو بتا دو کہ تم حسینؑ پر روتے ہی نہیں ہو اُن کی پیروی کی بھی سعی کرتے ہو۔ اپنی محفلوں اور مجلسوں کو ہر فرقہ کے لئے قابل برداشت بلکہ دلکش بنانے کی کوشش کرو۔ حسینؑ تنہا تمہاری ملکیت نہیں ہے۔ شہادت حسینؑ ابدالآباد تک انسانیت کے لئے بہترین درس ہے۔ گریہ کو مجلس کی کامیابی کا معیار نہ بناؤ بلکہ اپنی کامیابی اس بات میں سمجھو کہ تم نے شہادت حسینؑ کا مقصد کسی نہ کسی حد تک عوام کو سمجھا دیا۔ اب زمانہ کے حالات بدل چکے ہیں۔ خیالات میں انقلاب عظیم پیدا ہو چکا ہے۔ خالی آنسو بہانا اور سینہ کوبی اُتنا ضروری نہیں جتنا حسینؑ مظلوم کی سچی تاسی۔ ایک زمانہ تھا کہ تمہارا رونا اور ماتم کرنا احتجاجی شان رکھتا تھا اور اُس سے قربانی کے تیور ظاہر ہوتے تھے۔ مگر اب ظلم و استبداد، نخوت و غرور کے خلاف تمہارے احتجاج کو دوسرا عملی پہلو اختیار کرنا چاہیئے۔ مردِ میدان بننے کی ضرورت ہے۔ اپنے ہر حرکت و سکون میں جوانمردی اور دلیری کے آثار نمایاں کرنے کی حاجت ہے۔ شہدائے کربلا کو اب اُن آنسوؤں کی ضرورت نہیں ہے جن میں سرفروشی اور قربانی کے نور کی ذراسی بھی جھلک نہیں دکھائی دیتی۔ کربلا کے شہیدوں کا لہو تم سے اس کا مطالبہ کر رہا ہے کہ انسان بنو، انسانوں کی خصلتیں اپنے میں پیدا کرو۔ حق و صداقت کی حمایت میں اگر شمشیر و خنجر اور دار و رسن سے کھیلنا پڑے تو مردوں کی طرح کھیلو۔ اگر اس جذبہ کے ساتھ تم حسینی یادگار قائم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو نتیجہ معلوم!

اتحاد اور تنظیم

(نوشتۂ عالیجناب سید مصطفیٰ حسین صاحب ہمدم از فیض آباد)

اتحاد

آپس میں مل جل کر رہنے۔ مصیبت میں ایک دوسرے کے کام آنے۔ اغیار کے مقابلہ میں یکزبان اور یکدل ہونے۔ مذہبی اور سیاسی معاملات میں قومی مفاد کا خیال رکھنے۔ ہر دینی اور دنیوی امور میں باہمی جنگ نہ کرنے کا نام اتحاد ہے۔ جس قوم اور قبیلہ میں یہ باتیں مفقود ہیں اسکا عدم اور وجود دونوں برابر ہے۔ قوم تو قوم سلطنتیں آپس میں اتحاد رکھتی ہیں۔ ہمارے روزمرہ کے مشاہدات میں سے ہے کہ قطروں کے مل جانے سے دریا ہو جاتا ہے۔ سنگریزوں کی یکجائی سے پہاڑ بن جاتا ہے۔ دنیا کی کوئی قوت دریا کی روک سکتی ہے نہ پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹا سکتی ہے جب دنیا کے سیال و رد و رین کی جمادی چیزوں کا یہ عالم ہو تو اشرف مخلوقات انسان کو بدرجہ اولیٰ متحد ہونے کی ضرورت ہے۔ ہمارا جسم خود ایک کائنات ہے اور اعضا و جوارح کس خوبی سے متحد ہیں۔ دل اپنی جگہ پر حکمران۔ دماغ اپنے مقام پر کارفرما لیکن رشتہ ارتباط و اتحاد قائم ہے ادھر اربعہ عناصر کے باہمی اتحاد و ترتیب میں فرق آیا انسان طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہوا اور مرض جب بڑھنے لگا قوت بھی گھٹنے لگی۔

تنظیم

کسی ملک میں رہ کر وہاں کی ضرورتوں کے موافق قوم کو تیار کرنا۔ سیاسی اداروں کا قیام۔ دنیوی اور دینی مدارس کا اجرا۔ قومی رضاکاروں کی تشکیل۔ قومی اخبارات اور رسائل کی نشر و اشاعت اور انکی مالی مشکلات کو دور کرنا۔ دیگر امور کے لئے چندہ کی فراہمی۔ یتیموں کی خبرگیری۔ بے کاروں کو با روزگار بنانے کی تدابیر۔ مذہبی کانفرنس کا انعقاد۔ کسی ایک دینی پیشوا کو قائد اعظم تسلیم کرنا اور اُس کے ماتحت دیگر کارکنوں کا انتخاب۔ ضروری انجمنوں کا انعقاد۔ بچوں۔ جوانوں۔ بوڑھوں اور عورتوں کو ان کے رجحان طبع کے مطابق کاموں کی تقسیم کا نام تنظیم ہے۔ دور حاضرہ میں جو قوم غیر منظم ہوگی وہ برباد ہو جائے گی تعلیم کے ساتھ تنظیم کی بھی اشد ضرورت ہے بدنظمی کی بدولت کتنی سلطنتیں تباہ ہو گئیں کس قدر جائدادیں اغیار کے قبضہ میں چلی گئیں۔

حسینی جماعت کا اتحاد

یزید کی بیعت نہ کرنے میں چھوٹے بڑے سب متحد حسینؑ کے اشاروں پر

جان دینے کو سب تیار۔ بھوک کے پیاسے رہنے میں اتحاد حسین کا ساتھ دینے میں یک رائے۔ تیروں کی بوچھار میں بھی واجب کے ترک نہ کرنے میں متفق ٹڈی دل فوج کا مقابلہ کرنے میں سب کی زبان ایک سب کے دل یکساں۔ حق کے ساتھی سب۔ باطل کا مخالف ہر ایک۔ مردوں کے علاوہ عورتوں نے بھی بیڑیاں اور ہتھکڑیاں پہن دیار بہ دیار بے مقنعہ و چادر پھر کر دنیا کو یہ دکھلا دیا کہ ہم بھی باطل کو شکست دینے میں متحد ہیں۔

ہنس کھیل کر حرملہ کے تیر کا نشانہ بنا۔ بعد قتل حسینؑ بیمار فرزند سیدانیوں کا ناخدا بنا اور حسینی تنظیم کا سلسلہ جاری رکھا ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنیں اور پاؤں میں بیڑیاں اور اس عالم میں بھی کبھی پھوپھی کو تسکین دیتا کبھی بہن کی دلجوئی کرتا۔

ہماری تنظیم کے لئے جناب زینب نے ایک مجلس کی بنیاد ڈالی اور کربلا کے خونچکاں واقعات کو یادگار کی صورت میں پیش کیا۔

ہمارا اتفاق

مجلسوں کے اوقات اور تعزیہ داری میں باہمی جنگ۔ خواندگی میں ایک دوسرے پر اعتراضات کی بوچھار۔ غریب امیر میں تصادم۔ رئیس رئیس میں نفاق۔ زمینداروں میں جنگ۔ علماء میں کشمکش دینی طلاب اور مدرسین میں ان بن۔ پیشہ وروں میں تصادم انجمنوں میں لڑائی۔ انگریزی دانوں میں نفاق۔ جدید تعلیم یافتہ اور علماء میں تصادم۔ کانفرنس میں متعدد پارٹیاں۔ حقوق طلبی میں خیالات جداگانہ۔ کسی کا شیوہ رئیس پرستی کسی کا طریقہ اکثریت کی پرستش۔ رؤسا کو قومی اداروں سے نفرت غیر جانبدار رہنے کا شیوہ اختیار کئے ہوئے۔ قومی اخبارات میں جنگ۔ کوئی رئیس قومی مفاد کے خلاف اغیار کے لئے تن من دھن قربان کرتا ہے اور کوئی گھر میں دولت جمع کئے ہوئے رنگ رلیوں میں مصروف ہے۔ کوئی شریعت اسلام مٹانے اور شیعیت کو پامال کرنے میں منہمک۔ کوئی نام و نمود کا خواہاں کوئی تجدد پسند۔ کوئی انقلاب پسند۔ کوئی قدامت پسند نظر آتا ہے۔ ہم اقلیت میں ہیں اور اقلیت کو ہمیشہ متحد ہو کر رہنے کی ضرورت ہے اگر ہم یونہی آپس میں لڑتے رہے اور شیعیت کا اعلان کرنے اور حقوق طلبی میں خاموش رہے تو ہم ایک بیکار عضو ثابت ہوں گے اور شیعہ کہے جانے کے مستحق نہ ہوں گے۔ ہم کو کربلا کی حسینی جماعت کے اتحاد سے سبق لینا چاہئے۔

بہتر شہدا کی تنظیم

سب نے حسینؑ کو اپنا قائد اعظم اور پیشوا سمجھا۔ قافلہ سفر اور سواریاں مہیا کیں عورتوں کو محملوں میں حفاظت کے ساتھ بٹھلایا۔ گرمی کی شدت اور راہ میں پانی کی قلت کی وجہ سے کافی مشکیں پانی سے بھرے ہوئے ساتھ رکھیں۔ کربلا میں پہونچ کر دم کی دم میں خیمے نصب ہو گئے اور خیموں کے گرد خندق کھود ڈالی گئی۔ چھوٹے سے لشکر کی ترتیب چار حصوں میں دے کر حضرت عباسؑ کو علمدار فوج بنایا گیا۔ رفقاء شب میں خیموں کے گرد پھرا کئے۔ عاشور کو جب نماز کا وقت آگیا صفیں بچھ گئیں اور جانباز سینوں کو تان کر کھڑے ہو گئے تاکہ کوئی تیر امام تک نہ پہونچے اس طرح سے تیروں کی بوچھار میں آخری نماز ادا کی گئی۔ جنگ کے لئے جب ایک بہادر جاتا اور جانبازی سے قتل ہو جاتا تو دوسرا اس کی جگہ پر فوراً پہونچ جاتا تاکہ دشمنوں کا رُخ حسینؑ کی جانب نہ ہو اور ناموس نبیؐ اور خیمے محفوظ رہیں۔ جانبازوں نے جب اس طرح سے حق اور حسینؑ پر تنظیم کے ساتھ اپنی جانیں قربان کیں شش ماہے بچے نے بھی اس لاجواب تنظیم میں حصہ لینا چاہا۔ باپ کے ہاتھوں پر ننھا مجاہد تنظیم کو مکمل اور شہادت حسینؑ کو عظیم تر بنانے کے لئے میدان میں گیا اور

مضطرب جب قلب ہو پھر چُپ رہے کیونکر زباں

(نتیجۂ فکر بلند جناب سید نواب علی صاحب سفیر سندیلوی)

کس قدر پُر درد ہے کرب و بلا کی داستاں
عید قرباں کے مہینے سے ہوئی ہے ابتدا
ہانی و مسلم ہوئے صد حیف کوفہ میں شہید
تیس دن کا فصل تھا آغاز اور انجام میں
دو پہر میں گھر پیمبرؐ کا ہوا تاراج آہ
ہو چکا تشنہ دہن جب قتل فرزند رسولؐ
ریسماں سے زینبؑ و کلثومؑ کے شانے بندھے
کربلا میں رحم کے قابل نہ تھے بچے یتیم
کربلا سے تا بہ کوفہ اور پھر تا ملک شام
قافلے میں پا پیادہ سید سجادؑ تھے
طوق گردن میں پڑا تھا پاؤں میں زنجیر تھی
قید خانہ بھی ملا جو تنگ اور تاریک تھا
آہ۔ جب لائے گئے اہل حرم دربار میں
دختران فاطمہؑ کے سر پہ چادر بھی نہ تھی
سات سو بیٹھے ہوئے تھے جس جگہ کرسی نشیں
ظلم کے بانی مسلماں تھے کوئی کافر نہ تھا
درحقیقت کلمہ گو یہ بد تر از کفار تھے

ذکر جس کا آج تک جاری ہے زیر آسماں
کھُل گیا ماہِ محرم میں جو تھا رازِ نہاں
قیس نے بھی جا کے کوفہ میں فدا کی اپنی جاں
روز عاشورہ بہتّر ہو گئیں قربانیاں
کربلا میں بہ گئیں صد حیف خوں کی ندیاں
آگ سے خیمے جلے قیدی بنے پسماندگاں
پاؤں میں بیمار کے ڈالی گئی تھیں بیڑیاں
شمر نے مارے طمانچے اور لگائیں سیلیاں
کس طرح پہونچا اسیرانِ ستم کا کارواں
زخم سے نکلی ہوئی تھیں ساق پا کی ہڈیاں
پُشت پر اُبھرے ہوئے تھے تازیانوں کے نشاں
آل پیغمبرؐ نے جھیلیں ہائے کیسی سختیاں
آئی تھیں بالوں سے منھ اپنے چھپائے بیبیاں
سرنگوں دربار میں داخل ہوئیں سیدانیاں
صبر آلِ مصطفےٰ کا ہو رہا تھا امتحاں
جو کہ پڑھتے تھے نمازیں اور دیتے تھے اذاں
بانیٔ ظلم و ستم مکار تھے سب بیگماں

اہل دل میں ہو نہ ذکرِ کربلا کیونکر سفیر
مضطرب جب قلب ہو پھر چپ رہے کیونکر زباں

نیرنگہائے شہید

نوشتہ عالیجناب مرزا فدا علی صاحب خنجرؔ لکھنوی

سنہ ۶۱ھ کا پہلا عشرہ اپنی مخصوص محشر سامانیوں کے ساتھ گذر رہا تھا۔ اس کی ہر صبح نئی نئی بیدادوں کا پیام لے کر افق گردون پر نمودار ہوتی تھی اور آل رسول پر جانگداز آلام و مصائب کی بارش کرتی ہوئی شام غم سے تبدیل ہو جاتی تھی کربلا کی زمین کا ایک ایک ذرہ اس وقت کے خوف سے لرزہ براندام تھا جب دوش نبی پر سوار ہو کر سر بلند ہونے والا جبرئیل و میکائیل کا شہزادہ پشت مرکب سے پھسل کر اس کی گود مین آنے والا تھا اور اس کی کٹی ہوئی شہ رگ کا پاک لہو اس کے خشک دامن میں منجذب ہو کر وہ پاکیزگی و طہارت بخشنے والا تھا جو خدا کی ساری خدائی میں کسی زمین کو حاصل ہوئی ہے نہ ہوگی اور نہ ابد الآباد تک نصیب ہو سکے گی۔ کوئی شبہ نہیں کہ ہستیوں کو لب قدرت نے زبان رسول سے "محبت فی القربیٰ" کا وفا کوش درس دیا تھا اور اسی محبت کو "اجر رسالت" فرما کر واجب قرار دے دیا تھا۔ اس میں بھی کلام نہیں ہو سکتا کہ ہستی کے قلبی صفحوں پر تمام وقت آئین اور حدیثیں ثبت ہو چکی تھیں جو مختلف مقاموں پر نئے نئے عنوانوں سے گوش زد ہوئی تھیں پھر بھی یہ بھولنے والی چیز نہیں ہے کہ سیکڑوں دیکھنے والی آنکھوں کے پردوں پردہ رغظمت و وقار مرقعے مرتسم تھے جو زنخے میں گھرے ہوئے حسین کے مراتب عز و جاہ کی فراموش شدہ یاد کو کند کر دینے والے حافظے میں اس طرح تذکرہ دیتے تھے جیسے وہ جلوہ مناظر نینوا کے ریگستان میں بطور ترتیب سے آراستہ ہو رہے ہیں۔

(سلام)

از نتیجۂ فکر جناب سید سجاد حسین صاحب المتخلص بہ شدیدؔ نبیرہ و جانشین حضرت ملک الشعراء جناب رشید مرحوم

حسین ابن علی کے غم میں میری آنکھیں روتی ہیں
نبی کے رشتۂ الفت میں یا موتی پروتی ہیں

بہار آئی کھلے گل نظم کے گلشن بنی مجلس
صدا غنچے چٹکنے کی ہے یا تعریفیں ہوتی ہیں

غم شبیر میں آنسو بہاتی ہیں مری آنکھیں
کہ بحر مغفرت میں کشتی عصیان ڈبوتی ہیں

یہ کم ہے آبرو اے رونے والو شاہ کے غم میں
تمہارے اشکوں سے رومال کو زہرا بھگوتی ہیں

یہ فرمان بیان حق کی ہیں بحر کفر کی موجیں
بچو توبہ کرو یہ کشتی ایمان ڈبوتی ہیں

غم شبیر میں گریہ کو بدعت جاننے والو
خبر بھی ہے محمدؐ روتے ہیں معصومہؑ روتی ہیں

جسے سب کہتے ہیں اسلام یہ اک بہتا دریا ہے
یہاں سے روک آ کر ساری قومیں ہاتھ دھوتی ہیں

جو جنت مول لیتا ہے غم شبیر میں رو کر
جنھیں آنسو سمجھتے ہو یہی انمول موتی ہیں

جنھیں دعوے ہیں غیبت کر کے تازہ گل کھلانے کا
یقینی وہ زبانیں اپنے حق میں کانٹے بوتی ہیں

مسلمان یوں تو سب اسلام کے دریا کے ہیں گوہر
مگر سچے ہیں کم ان میں زیادہ جھوٹے موتی ہیں

نئے مضمون تو بیتاب ہے تنہا تو شدیدؔ اکثر
یہی باتیں تو دل میں غیر کے کانٹے چبھوتی ہیں

وہ مجتمع ہوئے تھے اس پاک شخصیت کو فنا کا جام پلانے کے لئے جو ایک دفعہ چھوٹی سی عبا میں پاؤں الجھ جانے کے باعث اس وقت مسجد کے صحن میں گر پڑا تھا جب خدا کا رسول نہایت ہی مفید خطبہ پڑھنے میں مشغول تھا۔ لیکن اس واقعہ کے ساتھ ہی ناتمام خطبہ جہاں کا تہاں چھوڑ دیا گیا اور زمانے کے آخری پیغمبر نے کچھ ایسے اضطراب و پریشانی کے عالم میں عرشہ منبر سے جدا ہو کر بچے کو آغوش میں سنبھال لیا کہ خود بھی اپنے اضطراری فعل کا احساس نہ کر سکا؟

وہ صف آرا ہوئے تھے اس بلند مرتبہ انسان کا دل توڑنے کو جس کی خاطر شکنی گوارا نہ کرتے ہوئے قدرت نے ایک خونخوار بھیڑئے کو محض اس واسطے ہرنی پر مسلط فرما دیا تھا کہ وہ رسول اللہ کی آنکھوں سے آنسو کا ایک قطرہ بھی ٹپکنے سے پہلے وہاں حاضر ہو کے اپنے دوسرے بچے کو بھی پیش کر دے۔

انھوں نے آب و دانہ بند کیا تھا اس مظلوم و بیکس پر جسے عین مشیت الٰہی سمجھ کر حبیب کبریا نے اس وقت زبان مبارک چبا چبا کے پرورش کیا تھا جب اس صاحبزادے نے عالم لاہوت سے سفر کر کے پہلی دفعہ منصۂ شہود کو اپنے قدم کی برکتوں سے مالامال کیا تھا اور جس کے نوش فرمانے کو جنت کے میوے اترا کرتے تھے۔

وہ آیات فرقانی اور وحی ربانی کی فانوس میں جگمگانے والی امامت کی شمع کو کفر و ضلالت کی ظلمت پاش آندھیوں سے گل کر دینے کا تہیہ کئے ہوئے ٹڈی دل کی طرح چھا چکے تھے۔ خاتمہ کن مظالم کا روح فرسا سلسلہ جاری ہو چکا تھا اور خاصان خدا ازہرہ گداز امتحان کی بلاخیزیوں میں کمال صبر و شکر کے ساتھ ایمان افروز مظاہرہ کرنے میں مصروف تھے۔

سچ تو یہ ہے کہ ان چند فداکاروں نے نصرت و رفاقت کا فریضہ ادا کر کے دنیا کے سامنے تربیت رسول اللہ کی ایسی عدیم النظیر تصویر پیش کر دی ہے جو رہتی دنیا تک باطل پرستوں کا ابطال کرنے میں ایک رمق کوتاہی نہ کرے گی اور صداقت پسند طبائع کربلا کے خونچکاں آئینے میں ہمیشہ ہمیشہ حق کا جلوہ ملاحظہ کرتے رہیں گے۔

ارض لعلی کا یہ مظلوم مسافر ننھے بچوں، جوار رسالت میں بسنے والی طیب و طاہر عورتوں اور جانیں فدا کرنے والے وفادار ناصروں کو ساتھ لئے ہوئے دوسری محرم کو فرات کے کنارے خیمہ زن ہوا تھا۔ مگر کتنی عجیب بات ہے کہ یزیدی درندوں نے ساقی کوثر کے جگر بند کو ترائی سے ہٹ کر ایسی جگہ قیام پذیر ہونے پر مجبور کیا جہاں سے نہر کا لہراتا ہوا پانی نظر بھی آ جائے تو اس کی فرحت بخش ٹھنڈک سے جلتے ہوئے قلب و جگر تسکین و تسلی کی نعمتیں حاصل نہ کر سکیں؟

یہ درست ہے کہ عباسؑ اور علی اکبرؑ کے دست بقبضہ ہوتے اور جانثاروں کی موجودگی میں، شامیوں کو اس ظالمانہ مقصد میں کامیابی کا امکان مطلق نہ تھا لیکن اس رحیم و صلح جو ذات نے جو رحمۃ اللعالمین کی تعلیمات کا مکمل و صحیح نمونہ تھی۔ اپنی جانب سے جنگ کا آغاز کرنا گوارا نہ کرتے ہوئے میان سے کھنچ آنے والی ہاشمی تلواروں کو دوبارہ نیام میں بھیج کر شر پسندوں کی تعمیل کر دی۔

نبی زادے کی صلح و آشتی فریبوں کے خونی عزائم میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کر سکی۔ چوتھی محرم سے نو جوں کا تانتا بندھ گیا ہزاروں بہائم صفت خونخوار مختلف سرداروں کی قیادت میں چند ناکردہ گناہوں کے خون سے حربی آلات کو رنگنے کے لئے آنے لگے۔ ساتویں محرم تک اتنی کافی جمعیت ہو گئی کہ فوج کے سالار نے ابن زیاد کی تاکیدی تحریک سے گھاٹ روک کر چار ہزار وحشی کوفیوں اور شامیوں کا زبردست پہرہ بٹھا دیا۔ اس ظلم کا منشا یہ تھا کہ ختم المرسلین کا خاندان رزق تو رزق پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس جائے!

نویں محرم کو وہ اسفل الناس جس کے نام سے انسانیت کانوں پر ہاتھ دھرتی ہے اپنی ماتحت سپاہ کے ساتھ وارد ہوا اور اپنے بے رحم ہاتھوں سے بالآخر وہ روشن چراغ بجھا دیا جس نے اپنے پاک لہو سے اسلام کی مشعل منور رکھنے کا قطعی فیصلہ کر لیا تھا۔

شمر کی آمد سے آل رسولؐ پر جہان اور صدہا مصائب نازل ہوئے وہاں سب سے بڑی مصیبت یہ بھی وارد ہوئی کہ چھ مہینے کی جان علی اصغر کی ماں کا دودھ خشک ہو گیا اور وہ بے زبان بچہ بھوک اور پیاس کی تکلیف سے تڑپ تڑپ کے اہل حرم کی آنکھوں میں دنیا اندھیر کرنے لگا۔ حسینی خیام میں قیامت برپا ہو گئی۔ بیبیاں اداس ہو ہو کر ایک ایک کا منھ تاکنے لگیں پاک سینوں میں حق پرست دل دھڑکنے لگے۔ بچے ہاتھوں میں سوکھے سوکھے کوزے لئے پانی کی چاہ میں پھرنے لگے۔ جب پیاس کی شدت سے حلق میں کچھ ہی نیا کانٹا پڑتا تو معصومانہ انداز سے "العطش! العطش!" کے دلخراش نعرے بلند کر کے فضا کو متاثر کرنے لگتے۔

سراپردۂ عصمت و طہارت کے قریب ہی کونین کا شہزادہ کرسی پر رونق افروز تھا۔ جبین مبارک پر سجدوں کا نشان تابندہ تھا اگرچہ روحانی افکار و آلام کی سیل ساعت بساعت بڑھتی جاتی تھی لیکن قلب مطمئن میں اضطراب و اضطرار کو بار نہ تھا فطری استقلال کبھی نہ ٹلنے والے پہاڑ کے مانند اپنے مرکز پر قائم تھا۔ تلواروں کی لرزہ خیز جھنکاریں۔ نیزوں کی خیرہ کن لپک اور گھوڑوں کی جنگی تنگ و تاز سواریوں سے لرزتی ہوئی زمین نے طبعی شجاعت و جاہت

پر مطلقاً اثر انداز ہی نہیں کی تھی وہ بچوں کی مظلومی اور مستورات کی بے کسی سے بھی دل برداشتہ نہ تھا۔ اسے بخوبی علم تھا کہ صرف انہیں مقدس قربانیوں ایثار اور صبر و تحمل سے کام لے کر مادی طاقتوں کو مفتوح اور ظالم و جابر بادشاہ کے کفر و الحاد کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ نیز یہی ایک واحد تدبیر ہے۔ جو دین محمدی کے احیا کا موجب بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

آفتاب کو زوال ہو چکا تھا۔ معلوم طبع ہمایوں میں کیسے خیالات جمع ہوئے کہ دونوں آنکھیں بند فرمالیں۔ شاید کچھ غنودگی بھی طاری ہو گئی استراحت پذیر سمجھ کے جان نثاروں نے گفتگو کا سلسلہ موقوف کر دیا اور خاموشی کے ساتھ بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ بیدینوں کا قہار لشکر لمبے لمبے عربی نیزے سیدھے کئے، تیغیں چمکاتا، سیلاب کی طرح سر پر آپہنچا۔ غازیوں نے فی الفور آگے بڑھ کر ان کی گستاخانہ پیش قدمی کو روکا۔ نا وقت نقل و حرکت کی وجہ دریافت کی اور یہ سن کر کہ وہ اپنے امیر کے حکم سے اس لئے آئے ہیں کہ حسینؑ یزید کی بیعت قبول کریں یا جنگ پر تیار ہو جائیں کہ ہم ان کے تن سے سر جدا کر کے والئ شام کے دربار میں بھیج سکیں۔

یہ اس درجہ ملعون و بیہودہ غرض تھی کہ مجاہدین فی سبیل اللہ کے تیور بدل گئے۔ مصفا سینوں میں وفا کا دریا جوش مارنے لگا اور بالکل غیر ارادی طور سے ان کے ہاتھ بڑھ بڑھ کے تلوار کے قبضے پر جا پڑے۔ مگر مجبور تھے کہ امام نے ہنوز جہاد کا اذن عطا نہیں کیا تھا ورنہ برق وش تیغیں بدر و احد، خیبر و خندق کا سماں پیش کر دیتیں اور عجب نہ تھا کہ " لافتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار" کی بانگ لگانے والا ملک آج پھر عالم ملکوت سے اتر کر کربلا کے میدان میں بالکل ہی انوکھی شان سے آواز بلند کرنے پر مامور ہو جاتا۔

دریافت کر کے واپس ہونے والے جیسے ہی اپنے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے ویسے ہی جوانانِ جنت کے سردار نے آنکھیں کھول کر دریافت فرمایا۔ "یہ کیا ہے؟"

عباسؑ بن علیؑ نے دست ادب باندھ اور آگے بڑھ کر شامیوں کا پیام عرض کیا۔ حکم ہوا کہ "ان سے صرف ایک رات کی مہلت طلب کرو خواہش ہے کہ یہ آخری رات معبود کی عبادت میں بسر کرنے کے بعد کل صبح مجوزہ جواب دے دیا جائے۔"

"سمعاً و طاعةً"، کہہ کر وفادار بھائی پچھلے قدم واپس ہوا۔ جو کچھ امامؑ کا ارشاد تھا عمر سعد تک پہنچا دیا۔ پہلے تو شمر نے مہلت دئے جانے سے اختلاف کیا۔ پھر بڑی قیل و قال کے بعد رسول زادے کی یہ خواہش منظور کر لی گئی۔

دن ڈھلا، شام ہوئی۔ وہ شام جس کی صبح اہل بیت نبوت کی ان بے [illegible] پیام ہے کہ حق شرق پر خود ابھر نے والی

تھی جسے دنیا کی تاریخ کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔ جب نبی زادوں کا وہ پاک و پاکیزہ خون گرم زمین پر پانی کی طرح بہہ جائے گا۔ جس کی طہارت پر "آیہ تطہیر" آج بھی پکار پکار کے شہادت دے رہی ہے۔

شام کے تیرہ باطن لشکریں خشک لکڑیوں کے شعلوں، مومی اور کافوری شمعوں کی روشنی نے چراغاں کی کیفیت پیدا کر دی۔ کھانے پینے اور اسلحہ پر صیقل کرنے۔ سوفار دل کو زہر میں بجھانے کے کام جاری ہو گئے۔ نبرد خواہوں کے دل قوی تھے کہ بہتر بھوکے پیاسے مظلوموں کے مقابلے میں دو لاکھ قوی تن اور شکم سیر جمعیت موجود ہے۔ شاید آفتاب بلند بھی نہ ہونے پائے گا کہ فاتحانہ مراجعت عمل میں آجائے گی۔ حکومت رے کا خواب دیکھنے والا سعد کا منحوس بیٹا حریری خیمے کے اندر نمود سحر کے اشتیاق میں تارے گن رہا تھا۔ دیرینہ مراد پوری ہونے میں بظاہر ایک رات کا پردہ رہ گیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ آل محمد کا سفینہ ڈوبتے ہی اس کی دنیوی خواہشات کا ستارہ طلوع ہو گا۔ لشکر میں حرؑ کے سوا کوئی فرد ایسی نہ تھی جس نے اپنی خوشی، قبالی کو مظلوم کربلا کے سر سے وابستہ نہ کر دیا ہو!

اس کے برخلاف اسی چھوٹی سی فوج میں جس کے سردار حسینؑ بن علیؑ تھے بالکل برعکس معاملہ تھا۔ اس کا ایک ایک سرفروش چاہے وہ بوڑھا ہو یا جوان یا ہنوز طفلی کے گہوارے میں پینگ لینے والا بچہ ہو یوم قربانی کے انتظار میں غرق تھا۔ اس نے دنیا کی طرف سے آنکھیں پھیر کر آخرت کی جانب ٹکٹکی باندھ لی تھی۔ اس کو صاف نظر آرہا تھا کہ جنت کے لہلہاتے ہوئے باغات اس کے شوق میں چشم براہ ہیں کوثر و تسنیم کے چھلکتے ہوئے ساغر دعوت پیش کر رہے ہیں۔ حور و غلمان کی صفیں بہشتی زیب و زینت کے ساتھ خوش آمدید کہنے کو بیتاب ہیں اور جواہر نگار قصر اشتیاق میں آغوش پھیلائے کھڑے ہیں۔

کیا اتنی سستی جنت اور کبھی مل سکتی ہے؟ وہ ذی عقل و ہوش لوگ ایسے نادان نہ تھے کہ مستعار و ناپائیدار زندگی کے پھیر میں مبتلا ہو کر اس عظیم ترین نعمت سے دست کشی اختیار کر لیتے۔ انھیں نجات کا رستہ مل گیا تھا اور اب وہ دنیا کی رنگینیوں پر لہلوٹ ہو کر صراطِ مستقیم سے بھٹکنا نہیں چاہتے تھے۔

آج کی رات، جو دنیا میں ان کی زندگی کی آخری رات تھی ان کے واسطے بڑے بڑے کام لے کے آئی تھی۔ کبھی وہ پیغمبر زادیوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے میں بدل کوشاں ہوتے۔ کبھی عہد شکن حریفوں سے خیمہ گاہ کی حفاظت کا التزام کرتے۔ گاہ جہاد کا بڑھا ہوا شوق جنگی اسلحے کی صیقل پر متوجہ کرتا اور گاہ جی بھر کے امامؑ کا دیدار کرنے کی تمنا انہیں حضور میں حاضر کر دیتی۔

اس سے بھی اہم فریضہ معبود برحق کی بندگی تھی۔ آج انھوں نے اپنی تمام نقل و حرکت کو عبادت کے رنگ میں رنگ لیا تھا ان کا کوئی لمحہ خدا کے ذکر و فکر سے خالی نہ تھا۔ دلوں میں حق، اور زبانوں پر قرآن مجید کی

آئیں تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس رات میں کربلا والوں نے جس خلوص و صمیم قلب سے اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت کی ہے اگر دنیا ہزاروں بار گردش کرے تو بھی اس کی ادنیٰ مثال لانے سے قاصر رہے۔

رفتہ رفتہ عمر شب کوتاہ ہوئی۔ مشرق کی جانب سے ہلکی ہلکی سفیدی صبح کے نمود کی خبر دینے لگی۔ نمازیوں نے فجر کی نماز کا اہتمام شروع کر دیا۔ حسینی سرفروشوں کو پانی تو ممکن نہ تھا کہ وضو کر سکتے ناچاری درجہ تیمم سے فارغ ہو ہو کر خیمے کے در پر حاضر ہونے لگے۔

نماز ہوئی اور اس اسلوب سے ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی ویسی نماز ہوئی تھی۔ نہ اس کے بعد کبھی ہو سکے گی۔ خدا کے دشمنوں کی صفوں سے زہریلے تیر، برسات کی دھواں دھار بارش کی طرح برس رہے تھے۔ شمع امامت کے دو دلسوز پروانے اپنی جانیں نثار کرنے کو سینہ سپر کئے مصلّے کے سامنے کھڑے تھے اور مخالفین کی طرف سے آنے والے تیروں کو سینہ تان تان کے دل پر روکتے جاتے تھے۔ امامؑ کے عقب میں ماموم کی چھوٹی چھوٹی صفیں تھیں خلوص کا یہ عالم تھا کہ تیروں کی بوچھار پھولوں کی بارش بن گئی تھی! ان کے دلوں میں اضطراب تھا نہ چہروں پر اداسی تھی۔ رسول صلعم کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق لحظہ بلحظہ بڑھتا جاتا تھا ادھر نماز ختم ہوئی ادھر دونوں جاں نثاروں نے ریت پر گر کر دم توڑ دیا۔

ہنوز یہ چھوٹا سا لشکر رزمی اصول کے مطابق مرتب ہوا تھا کہ دو لاکھ آہن پوشوں کا لشکر یلغار کرتا ہوا بڑھا۔ دلیر مجاہدوں نے زمین پر گھٹنے ٹیک نیزے سیدھے کر دیئے لیکن چڑھے ہوئے سمندر کی خوں ریز موجیں سمٹ سمٹ کر واپس ہوئیں تو پچاس مجاہد خاک و خون میں لتھڑے دم توڑ رہے تھے۔

اس حملے کے بعد ہی شہادتوں کا المناک سلسلہ جاری ہو گیا حسینؑ کا جو نامراد رزمیدان میں قدم رکھتا تھا اپنے شیرانہ حملوں سے اعدائے دین کے قلوب لرزا دیتا اور نامی گرامی پہلوانوں کو خون میں لٹانے کے بعد ہزاروں سے یکہ و تنہا پیکار کرتا ہوا شربت شہادت نوش کر لیتا تھا۔ جب فرس کی زین خالی کرنے لگتا تھا تو اپنے آقا و مولیٰ کو بلند آواز سے آخری تسلیم کرتا تھا۔ رحیم و کریم آقا فی الفور اس کی خبر گیری کو روانہ ہو جاتا تھا۔ ظہر تک یاوروں اور عزیزوں کا صفایا ہو گیا۔ آخر وہ وقت بھی آ گیا جب بھائی بھتیجے۔ بیٹے بھانجے اور انصار و مددگار میں کوئی باقی نہ رہا اور غریب نینوا دشمنوں کے نرغہ میں یکہ و تنہا رہ گیا۔ اس نے ایک ایک شہید کا نام لیکر پکارا اور جواب نہ پا کر خیمہ گاہ کی طرف واپس ہوا۔ دل پر بہتر داغ تھے اور زخموں سے جیتا جیتا خون رس رہا تھا۔ خیمے کے در پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے سلام کیا۔

یہ دردناک آواز اس گہوارے تک جا پہنچی جس میں ناداں علی اصغر پیاس کی شدت سے بے حال پڑا تھا۔ معلوم ننھے سے دل پر کیا اثر ہوا کہ اس نے تڑپ کر اپنے آپ کو جھولنے سے نیچے گرا دیا۔ بیبیاں در کی جانب لپکنے ہی والی تھیں کہ ربابؑ نے بڑھ کے معصوم کو اٹھایا، پپڑائے ہونٹ اور خشک آنکھوں پر نگاہ پڑی تو دل بھر آیا کلیجے کے ٹکڑے کو سینے سے چمٹائے پردے کے قریب آئیں۔ زینبؑ ان سے پہلے در تک پہنچ چکی تھیں۔ ابھی ماں جائے سے کلام کا سلسلہ شروع نہ کیا تھا کہ علی اصغر کو مرجھائے ہوئے پھول کی طرح بھاوج کی گود میں دیکھ کر کلیجہ پھٹنے لگا۔ بھتیجے کو ان سے لے کر بھائی کو دکھاتے ہوئے عرض کی "بھیا! یہ شیر خوار تشنگی سے ہلاک ہوا جاتا ہے۔ ممکن ہو تو اس کے واسطے پانی کی سبیل کیجئے"

مظلوم نے جاں بلب بچے کو دونوں ہاتھوں پر لے لیا۔ آفتاب کو زوال شروع ہو چکا تھا لیکن کڑی دھوپ میں تپش وہی تھی اس لئے بچے کا پھول سا جسم عبا کے لمبے دامنوں کے نیچے چھپا لیا اور بارگاہ احدیت میں آخری نذرانہ حاضر کرنے کو میدان کی طرف روانہ ہو گئے۔

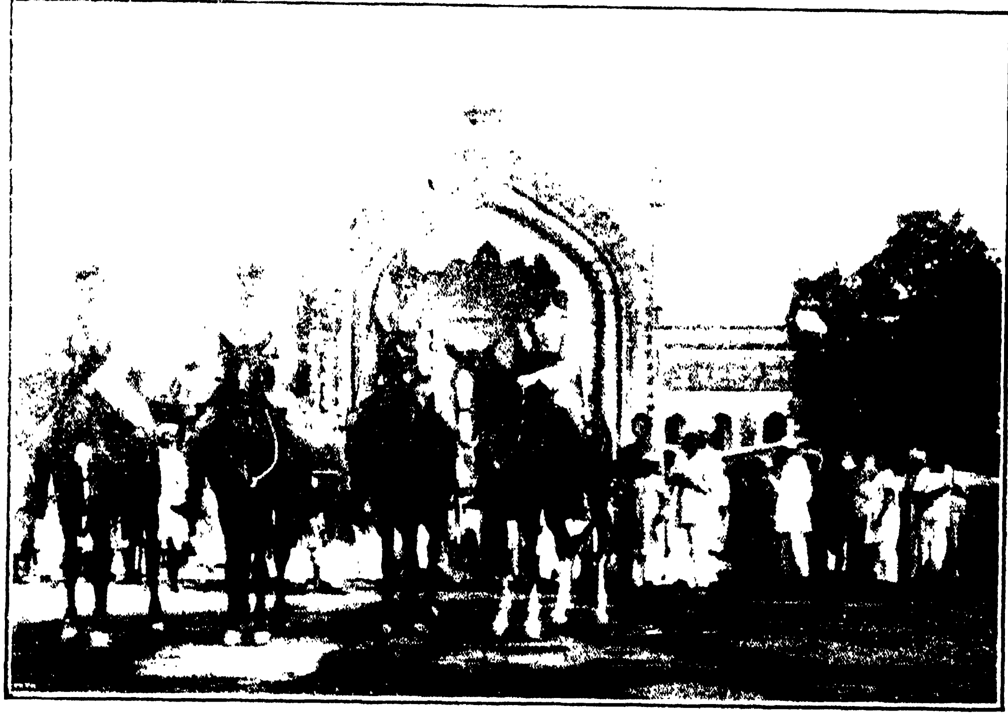
خون آشام درندے "ہل من مبارز" کا شور مچا رہے تھے۔ کوئی چیز عبا کے دامن میں چھپائے امامؑ کو اپنی طرف آتے دیکھ کر سمجھے کہ حسینؑ خدا کے کلام کا سہارا لینے کے خیال سے قرآن شریف لا رہے ہیں۔ جتنے عرصہ وہ قیاس آرائی میں مصروف رہے امامؑ اپنے جگر پارے کو لئے ہوئے ریگ کے ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔ پہلے شریروں کو متوجہ فرما کے فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ پھر اتمام حجت کے لئے ارشاد کیا "اگر تمہارے نزدیک میں گنہگار ہوں تو یہ بچہ تو قصوروار نہیں ہے! پھر کیا وجہ ہے کہ اس کو پانی نہیں ملتا اور یہ پیاس سے ہلاک ہوا جاتا ہے۔ اسکی ماں کا دودھ خشک ہو گیا ہے۔ تھوڑا سا پانی پلا دو تو مظلوم کی جان بچ جائے"

اتنا فرما کر عبا کا دامن سرکا دیا۔ سب نے دیکھا کہ گلزار رسالت کا یہ سربستہ غنچہ پیاس کے مارے باپ کے ہاتھوں پر کملایا ہوا پڑا ہے۔ بعضوں میں اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سنگدل سپاہی باہم سرگوشیاں کرنے لگے "سچ تو کہتے ہیں۔ اس معصوم بچے کو کس جرم پر پیاسا رکھا جاتا ہے؟ اسے پانی پلا دینا چاہئیے"

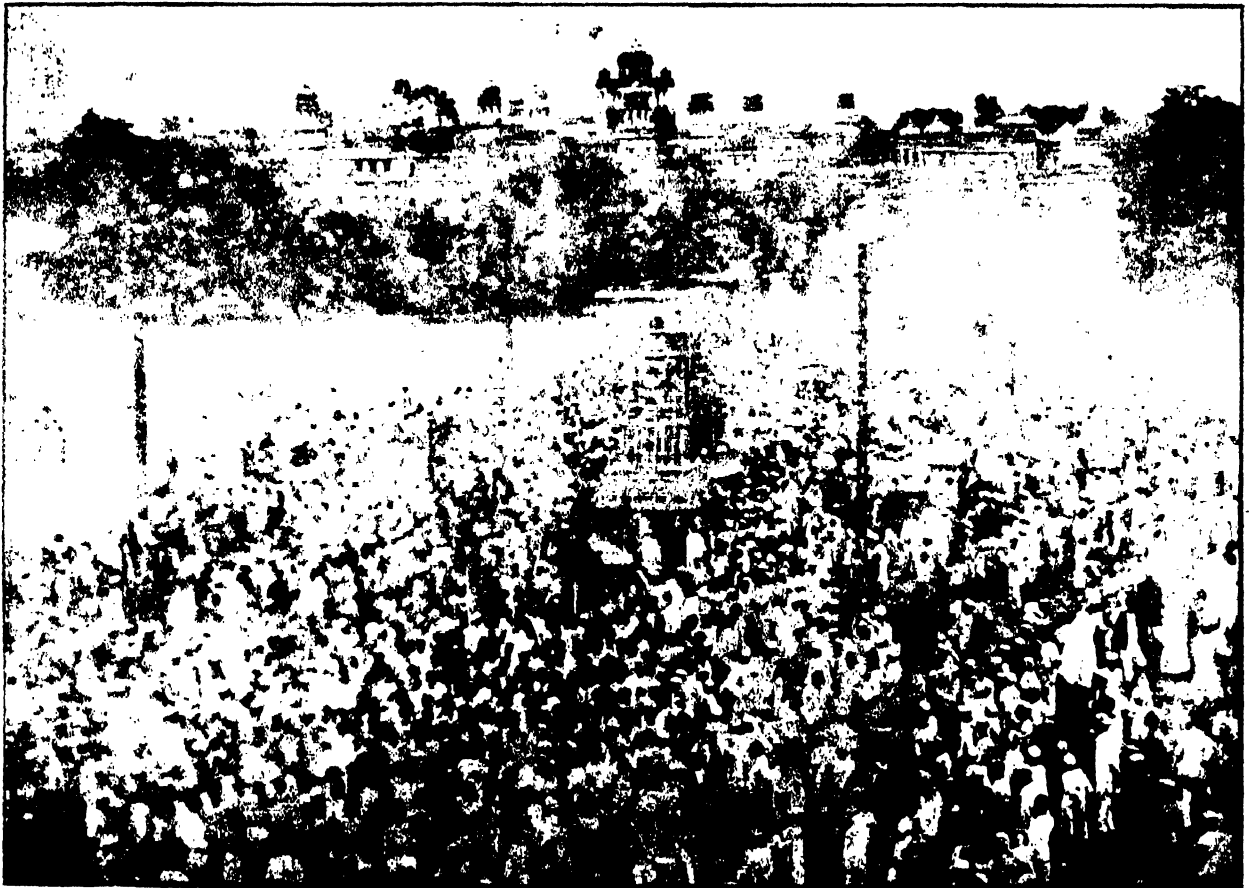
ادھر امامؑ نے علی اصغر سے خطاب کر کے فرمایا "فرزند! تم بھی خدا کی حجت کے پیر ہو سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیر کر حجت تمام کر دو" علی اصغر نے کانٹے پڑی ہوئی زبان نکال کر خشک لبوں پر پھرانا شروع کی اور امامؑ نے دوبارہ کوفیوں سے ارشاد کیا "شاید تمہیں یہ گمان ہو کہ میں اس بچے کے حیلے سے پانی طلب کر رہا ہوں تو لو، میں اسے زمین پر لٹا کے ہٹا جاتا ہوں جس کا دل چاہے یہاں آ کر اپنے ہاتھوں سے اسے سیراب کر دے"

جملہ تمام کر کے بچے کو زمین پر لٹانے کا قصد کیا۔ ادھر فوج میں تلاطم مچ گیا عمر سعد زرنگار چتر کے سایہ میں کھڑا ادھر امامؑ کے کلام کا اثر دیکھ رہا تھا۔ لشکر کا رنگ بگڑتے دیکھ کر ڈر گیا اور قریب کھڑے ہوئے حرملا کو گھرک کے کہا "کیا دیکھتا ہے؟ حسینؑ کا کلام کیوں نہیں قطع کر دیتا؟"

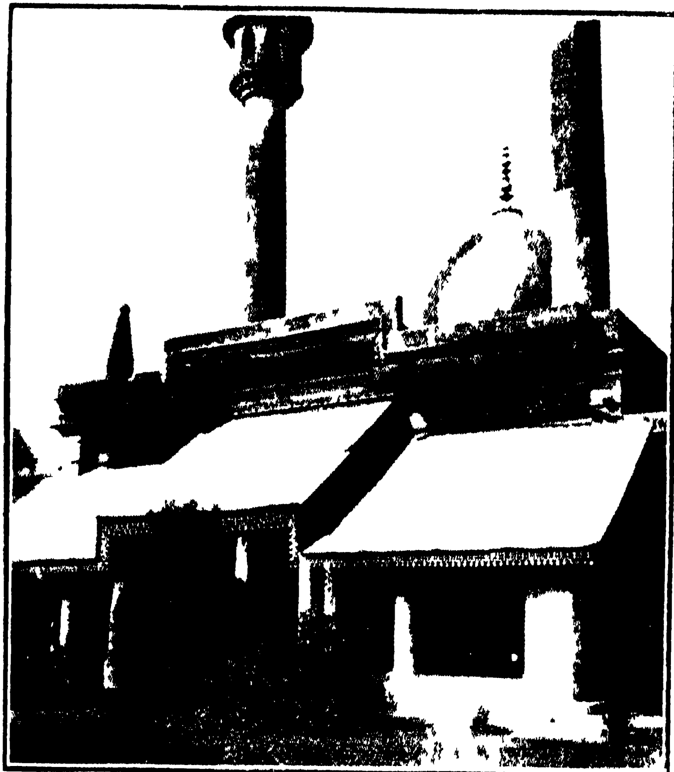
حکم پاتے ہی حرملا نے دوش سے کمان اتاری ترکش سے سہ شعبہ تیر نکال کر چلے میں جوڑا اور نشانہ سادھ کر رہا کر دیا۔ ابھی علی اصغر باپ کے ہاتھوں ہی پر تھے اور خشک لبوں پر سوکھی ہوئی زبان حرکت کر رہی تھی کہ دفعتہً ظالم کے تیر نے حلقوم چھید کر باپ کے ہاتھوں پر منقلب کر دیا۔



ضریح مبارک حسین آباد امامباڑہ آصفی سے برامد ہو رہی ہے



ضریح مبارک حسین آباد کا عظیم الشان مجمع



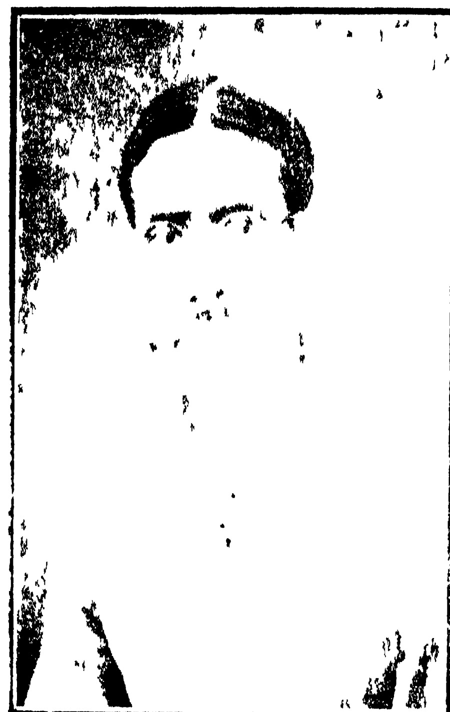
[illegible] کربلا لکھنؤ



سرکار صاحب [illegible] بہادر مرحوم



مرزا محمد طاہر صاحب رفیع لکھنوی
نبیرۂ جناب [illegible] مرزا دبیر مرحوم



جناب [illegible]

انا قتیل العبرہ

فلسفۂ گریہ و بکا

دل ہی تو ہے سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

(نوشتۂ عالیجناب سید اکبر علی صاحب ایم اے ایل ٹی پروفیسر شیعہ کالج لکھنؤ)

فرزند رسولؐ جگر گوشہ بتولؑ مظلوم کربلا شہید راہ خدا جناب امام حسین علیہ الصلواۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے رلا رلا کر شہید کیا۔ اور نہ کیا جائیگا ذکر میرے مصائب کا کسی مرد مومن سے کہ وہ میری مصیبتوں کو سنکر رو نہ دے۔ لیکن دنیا کہتی ہے کہ خبردار آنکھ سے آنسو نہ گرے ہرگز رونا نہیں اسلئے کہ گریہ کرنا بدعت بکا کرنا ناقابل عفو معصیت ہے۔ ماتم کرنا خلاف فطرت ہے اور اس فلسفہ خیال کے حامی اور ناشر سینہ تان کر فرماتے ہیں۔ "ہم زندہ جاوید کا ماتم نہیں کرتے" بیشک دنیا کا طرز عمل یہی ہے کہ وہ رونے سے دور بھاگتی ہے۔ محفل رقص و سرود میں بغیر بلائے لوگ آتے ہیں ناخواندہ مہمانوں کی مجمع میں تل رکھنے کی جگہ باقی نہیں رہتی اگر بھولے چوکے سے بغیر مدعو کئے ہوئے کوئی عزیز یا دوست رہگیا تو شکوہ شکایت تک خیریت نہیں رہتی بلکہ عمر بھر کے لئے ملنا جلنا ترک ہو جاتا ہے لیکن مجلس غم میں شرکت کے لئے ہاتھ جوڑ جوڑ کر مدعو کئے ہوئے کوئی عزیز یا دوست رہگیا تو شکوہ شکایت تک خیریت نہیں رہتی بلکہ عمر بھر کے لئے ملنا جلنا ترک ہو جاتا ہے۔ لیکن مجلس غم میں شرکت کے لئے ہاتھ جوڑ کر مدعو کیجئے تب بھی عزیز قریب دوست حبیب ہزار عذر لنگ شرکت سے گریز ہی بہتر سمجھتے ہیں۔ شرکت مجلس غم کا بار عظیم کسی طرح ٹل ہی جائے تو بہتر اور مناسب ہے۔ غمزدوں سے اظہار غم اور ہمدردی چند ہی منٹ کے لئے سہی عیش نقد کے پرستاروں پر بار عظیم ہوتا ہے غمزدہ کا چہرہ غمزدہ یا صورت بنانا عام طور سے لذیذ نہیں معلوم دیتا۔ مجبوری جو کچھ بھی کرائے انسان کو سرور خوشی اور مسرت جان عزیز سے زیادہ عزیز ہے۔ اور جسطرح وہ جان کے قیاسی۔ خیالی۔ وہمی خطرات سے دور بھاگتا ہے اسیطرح وہ رنج۔ غم۔ اسباب حزن و ملال گریہ و بکا سے کوسوں دور بھاگنے کی ہمیشہ جدو جہد میں مصروف رہتا ہے۔

اس دار فانی میں انسان از مہد تا بہ لحد صبح سے شام تک نقد عیش کے چکر میں پڑا رہتا ہے۔ اس غمکدہ عالم میں طلب سرور اور مسرت ہی حیات انسانی کا اولین مقصد اور فریضہ نظر آتا ہے۔ اس بنا پر اس تنازع للبقا کے میدان میں سب سے زیادہ دنیا سمیٹنے والی دو صنفوں میں سے ایک وہ ہوتی ہے جو دنیا والوں کے لئے زیادہ سے زیادہ سامان سرور۔ خوشی۔ طرب مسرت اور تفریح مہیا کرے۔ لب سڑک ایک واعظ گلے پھاڑ پھاڑ دنیا اور آخرت دونوں کو بہتر بنانے کے طریقہ بے کوڑی اور بے منت تعلیم دے رہا ہے۔ مگر سڑک پر چلنے والے اس کی جانب پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے

میدان کربلا پر روز عاشور دامی اللہ فرزند رسولؐ خدا نرغہ اعدا میں یکہ و تنہا کھڑا اپنے ناصروں کو پکار رہا تھا گر کہنے کو تو ستر ہزار صحیح و سالم

دامان فرات

(از نتیجۂ فکر عالیجناب ماسٹر سید محمود علی صاحب ساغر زیدی از گوالیار)

حوض کوثر کیوں نہ ہو سو بار قربان فرات
آب جو سے مشک بھر لی حضرت عباسؑ نے
کام کچھ روباہ خصالوں کی نہ آئی جدوجہد
ہو گیا سر سبز سرتا پا شجر اسلام کا
اللہ اللہ کربلا میں شہ کا یہ رعب و جلال
یاالٰہی یہ اثر آہِ دل مظلوم میں
شمر نے زینبؑ سے چھینی جب ردائے فاطمہؑ
محنت زہرا نے رنگا ہے اسکو اپنے خون سے
حشر کے دن داور محشر کو جوش آجائے گا

فاطمہ کا لاڈلا ہو جب کہ مہمان فرات
رہ گئے ملتے کف افسوس دربان فرات
شیر کے پنجہ میں دیکھا جبکہ دامان فرات
بنگیا آب شفا خون شہیدان فرات
خوف سے ٹوٹا ہے ہر تار گریبان فرات
غیر بھی ہونے لگے اٹھ اٹھ کے قربان فرات
چاک ہو کر رہ گئے جیب و گریبان فرات
اب قیامت تک رہیگا سرخ دامان فرات
دست زہرا میں جو دیکھے گا گریبان فرات

میں بھی ہوں ساغر مقلد اس شہید ناز کا
کربلا دفتر ہے جس کے نکتہ ہائے راز کا

جو انان کوفہ و شام معہ دونوں کانوں کے موجود تھے۔ مگر فرزند رسول کی آواز کسی کو سنائی نہیں دیتی۔ کان ہیں مگر سنتے نہیں۔ کیوں؟ اسلئے کہ یزید پلید کے انعام و اکرام کے وعدے ان سب کے دلوں و دماغوں میں راحت و آرام عیش و سرور کی ایک دنیا بنائے ہوئے ہیں۔ فوج یزید کے ستر ہزار کے مجمع سے آواز حق پر لبیک کہنے والا سوائے ایک حضرت حر کے کون نکلا؟

اب اگر اسی سڑک کے دوسرے کنارے جہاں پر کہ واعظ پند و نصیحت کر رہا ہے کوئی بازیگر کھڑا ہو جائے تو پھر کیا ہوگا؟ اس کی آواز سنتے ہی بازیگر کے گرد راہگیروں کا ٹھٹھ لگ گیا۔ مجمع تماشہ دیکھنے کے لئے جمع ہو گیا۔ پیسے دیکے تماشہ دیکھا۔ بتائے ان دونوں میں سے دنیا کس نے زیادہ جیتی بازیگر نے یا واعظ نے؟ کہنا پڑیگا کہ بازیگر نے دنیا والوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں زیادہ کامیابی حاصل کی اور پیسہ بھی زیادہ کمایا۔ اس کامیابی کا راز صرف ایک یہی ہے کہ جو دنیا والوں کے لئے سامان طرب و تفریح زیادہ مہیا کرے اسی کی قدر و منزلت زیادہ ہوتی ہے اور آمدنی بھی بیحد و بیحساب ہوتی ہے۔ ماہرین موسیقی کہیں کسی وقت ننگے بھوکے نہیں رہ سکتے ہیں سینما کے اداکاروں کی آمدنیاں دیکھیئے بیحد و بیحساب معلوم ہوتا ہے کہ خزانہ غیب سے انہی کو ملتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ہمیشہ سے دنیا کا یہی طریقہ رہا ہے۔ کمیاں کہاں نظر آئیں گی؟ اس مسجد میں جہاں ایک نمازی روزہ دار جو کی سوکھی خشک روٹی کے ٹکڑے کھا کر اور پیوند دار کرتا پہنکر بسر کر رہا ہے لیکن بیت المال کے چراغ کی روشنی تک خلاف منشا یا مفاد عامہ مسلمین صرف کرنا گوارہ نہیں کرتا اور جو سنگے بھائی کی شکایات عسرت و تنگی پہ سرخ دہکتا ہوا لوہا دکھا کر دوزخ کی آگ کی یاد تازہ کرتا

یا

ملک شام کے ان عالیشان محلات میں جن میں سونے چاندی کے در و دیوار بنے ہوئے ہیں زمین پر مخمل اور زربفت کے فرش بچھے ہوئے ہیں سونے اور چاندی کے وسیع اور گہرے حوضوں میں شراب انگوری موجیں مار رہی ہے۔ حوضوں کے کنارے جابجا زرنگار سیمیں و جواہر سے جڑے ہوئے مرغ رقص کر رہے ہیں۔ دو شیزہ پری جمال عورتیں زر و جواہر میں ڈوبی ہوئی محل کے ہر گوشہ میں کثرت سے پرے جمائے ہوئے ہیں۔ دف بج رہا ہے۔ سرود چھڑا ہوا۔ رقص و سرود کی محفلیں گرم ہو رہی ہیں۔ بزم طرب آراستہ ہیں۔ خوش گلو کنیزیں اعذب من الزلال نغمات سے حاضرین بزم کو محظوظ کر رہی ہیں۔ ملک عرب کے چٹیل سوکھے اور سر بے آب و گیاہ کی بھوکی فاقہ کش کمیاں جنت کے وعدے اور دوزخ کے خوف عذاب کو طاق نسیاں پر رکھکر خود ساختہ خلیفۃ المسلمین کی دنیاوی جنت میں مزے اڑانے کے لئے جمع ہو گئی ہیں

یہی تو وجہ تھی

کہ بہتر کے مقابلہ پر ستر ہزار فوج یزید پلید نے میدان کربلا میں اتار دی۔ اور بہتر کی یہ تعداد بھی اسوقت پوری ہوتی ہے جب حضرت علی اصغر کا جھولا بھی شامل کر دیا جاتا ہے۔ مکہ یا مدینہ سے جو لوگ طمع دنیا میں فرزند رسول کے ساتھ ہو گئے تھے ان کو جب ترک دنیا کی سخت منزلیں نظر آنے لگیں ان میں سے ایک ایک کرکے سب نے ساتھ چھوڑ دیا یہانتک کہ فرزند رسول کربلا کے چٹیل ریگستان میں معہ چند بڈھوں اور صغیر السن بچوں اور گنتی کے جوانوں کے ستر ہزار کی خونخوار ٹڈی دل فوج میں گھر گئے۔ حق و باطل کا مقابلہ تھا اور ایمان کا امتحان تھا محبت اہلبیت کا دعویٰ آسان ہے۔ اسلئے کہ صرف زبان کو جنبش دینا ہے۔ لیکن ہر دعویٰ بغیر دلیل لغو اور مہمل ہوا کرتا ہے دلیل کی نوعیت ماحول کے اعتبار سے ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔ میدان کربلا میں تو محبت اہلبیت کا ثبوت بس صرف ایک تھا۔ اور وہ جان کی قربانی تھی۔ اس قربانی سے بلند اخلاق۔ عدیم المثال کردار۔ زبردست روحانیت۔ فقید المثال ایمان کا ثبوت تھا۔

ذرا دیکھنا وہ شام و کوفہ کی ٹڈی دل فوج۔ جو عنقریب فتح و ظفر حاصل کرنیوالی ہے اس میں سے ایک مجاہد ملک عرب کا مایہ ناز سورما۔ فوج یزید کا مایہ افتخار سردار۔ راحت۔ آرام۔ انعام و اکرام۔ اعزاز۔ مرتبہ بلکہ اپنی زندگی و حیات پر ٹھوکر مارتا ہوا نکل آتا ہے۔ اور راہ خدا میں مر مٹنے والوں کے اس چھوٹے سے بھوکے پیاسے قافلہ میں اپنی پچھلی غلطیوں کی ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ کر شامل ہو جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جان دینے والوں میں سب سے سبقت کرتا ہے اور باطل کے مقابلہ میں حق کی حمایت میں جان قربان کرتا ہے درحقیقت شہادت انسانی کردار اور ایمان کی کسوٹی ہے

حضرت حر اگر بلند پایہ اخلاق و ایمان کے مالک نہوتے تو اس وقت مصیبت میں حسینؑ مظلوم پر اپنی جان نثار نہ کرتے۔ راہ حق میں جان عزیز قربان کرنا بیشک و شبہ بلند پایہ اخلاق و کردار کا ثبوت ہے۔ لیکن اس قسم کا ثبوت تو صرف اس دن پیش کیا جا سکتا تھا جس دن کہ میدان کربلا پہ قربانی آل محمد تھی اب اس زمانہ میں تیرہ سو برس بعد فرزند رسول سے محبت کرنیوالوں کی شناخت کیسے ممکن ہو سکتی ہے؟ ارباب علم و عقد ہی اس سوال کا جواب دیں۔

وہ انسان نہیں جس میں بنی نوع انسانی سے انس نہو۔ انگریزی علم النفس کے اعتبار سے بھی ہر انسان میں محبت و انس کی سرشت لازمی ہے جیسی میکنتری۔ اسٹاؤٹ۔ بیلیس۔ کانٹ۔ ہیوم۔ شوپنہار۔ ہیگل۔ اسپنسر اور کسی یوروپین فلاسفر کی کتاب اٹھا کر دیکھ لو کہ وہ رحم اور ہمدردی کے جذبات مسلمہ تسلیم کرتے ہیں جو ہر صحیح الدماغ انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں پاگلوں کے دلوں میں جذبات رحم و ہمدردی کا پیدا ہونا ضروری نہیں ہے۔ کیوں؟ اسلئے کہ اس قسم کے جذبات خوف اور دہشت کیوجہ

سے پیدا ہوتے ہیں۔ اب اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاگلوں کے دل و دماغ میں خوف اور دہشت کے آثار پیدا نہیں ہوتے ہیں؟ بیشک پاگلوں کے دل و دماغ میں بھی خوف اور دہشت کے آثار پیدا ہوتے ہیں۔ مگر وہ بالکل وقتی ہوتے ہیں کیونکہ پاگل دماغوں میں قوت متخیلہ حد درجہ کمزور ہوتی ہے۔ لیکن جذبات رحم و ہمدردی اس خوف اور دہشت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جو قوت متخیلہ کی کارفرمائی سے عالم وجود میں آتی ہے۔ میں اپنے بیان کو چند مثالوں سے واضح کردوں۔ ایک زبردست ڈاکو ہے۔ جس نے ہزاروں گھروں کو لوٹ کر تباہ کردیا ہے۔ اور سیکڑوں آدمیوں کو مار ڈالا ہے۔ یہ گرفتار کیا جاتا ہے۔ اور مجمع عام میں اسے ایک تختہ پر کیلوں سے جڑا جاتا ہے۔ لوہے کی گرم سلاخیں ..... اس کے سارے جسم میں پیوست کی جاتی ہیں۔ ہزاروں آدمیوں کا مجمع لگا ہوا ہے سب دم بخود اس منظر کو دیکھ رہے ہیں اب ذرا مجمع کے جذبات کا اندازہ کیجیے اس منظر سے ہر شخص عبرت حاصل کریگا۔ جن لوگوں کو اس ڈاکو سے نقصان پہونچا ہے یا جن کو اس سے نقصان پہونچنے کا اندیشہ تھا ان کے سینوں میں اطمینان کی سانسیں آرہی ہیں۔ دل میں سکون کے جذبات موجزن ہیں زبان پر یہ کلمات جاری ہیں" اچھا ہوا خوب ہوا۔ اپنی سزا کو پہونچ گیا" لیکن اس مجمع میں جو لوگ جرائم پیشہ ہیں، چور ہیں یا ڈاکو ہیں ان کی سانسیں رکی جاتی ہیں۔ دم خود بخود گھٹا جاتا ہے۔ چہرہ پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ دل میں خوف اور دہشت سے دھڑکن پیدا ہے۔ دماغ میں خیالات پریشاں کی آندھیاں زور شور سے چل رہی ہیں۔ روح بےچین ہے۔ طبیعت کہہ رہی ہے کہ جس دن تم پکڑے گئے تمہاری بھی یہی گت ہوگی لیکن چونکہ ڈاکو اپنے کئے کی سزا بموجب عدل و انصاف پا رہا ہے۔ اسلئے اس سے کسی کو بھی ہمدردی نہیں ہے۔ رحم کا کوئی نام بھی نہیں لیتا۔ بلکہ ان سپاہیوں کی تعریف کی جارہی ہے۔ جنھوں نے اسے گرفتار کیا ہے۔ اس حاکم کو اچھا کہا جارہا ہے جس نے اسے سزا دی ہے۔

اچھا ایک دوسرا منظر دیکھئے۔ ایک نیک خدا کا بندہ دنیا کے خیالات کو راہ راست پر لگانیکا شائق ہے۔ در در پھرتا ہے۔ اپنا وقت برباد کرتا ہے۔ بے معاوضہ محنت و مشقت کرتا ہے۔ اسے صرف یہ فکر ہے کہ دنیا اس مغالطہ سے بچ جائے کہ

"وہ نہیں جانتی کہ وہ نہیں جانتی"

یعنی درحقیقت دنیا کی ہر فرد جب کہ جہل مرکب میں بری طرح گرفتار ہے لیکن فرد ہر ایک کو ہے کہ اس سے بڑھکر کوئی عالم نہیں۔ سقراط کا بس یہی ایک قصور تھا اگر اسے قصور کہا جاسکے کہ وہ دنیا کو اس کی جہالت اور لاعلمی کا یقین کروانا چاہتا تھا۔ سقراط کی ان کاوشوں سے دنیا والوں کے غرور، تکبر، خودستائی، خودنمائی، ریاکاری، مکاری کو ٹھیس لگی۔ بھلا کون اپنی آنکھ کو [illegible] دیکھنا پسند کرسکتا ہے۔ اگر بیان میں اپنا منہ [illegible] کو چند منٹ میں اپنی حالت کا جائزہ لیکر یہ کہدے کہ حق آنست کہ فرو دانی

نتیجہ کیا ہوا۔ دنیا نے سقراط کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔ اس پر لڑکوں کے خیالات خراب کرنے کا الزام عائد کیا گیا۔ اسوقت ملک یونان میں جمہوریت کا دور دورہ تھا۔ جمہوریت کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ اکثریت نے سقراط کے خلاف حکم سنا دیا۔ سزائے موت تجویز ہوگئی۔ سقراط زہر کا پیالہ پی کر راہی ملک بقا ہوگیا۔

سقراط کو مرے ہوئے ہزاروں برس گذر گئے لیکن اس وقت تک دنیا کو اس سے ہمدردی باقی ہے۔ بلکہ سقراط کا نام رہتی دنیا تک صرف اسلئے باقی رہے گا کہ وہ مظلوم تھا اور مظلوم سے ہر صحیح الدماغ کو فطرتاً محبت اور ہمدردی ہوتی ہے۔ اس بات کو میں ایک مستقل مضمون میں ثابت کرچکا۔ ... جو زبان انگریزی میں مسلم ریویو اور زبان اردو میں سرفراز محرم نمبر میں شایع ہوچکا ہے۔ یہاں پر صرف اسقدر عرض کرنا ہے کہ مظلوم سے ہمدردی کا راز صرف یہ ہے کہ قوت متخیلہ خوف اور دہشت کی ایک بھیانک تصویر پیش کردیتا ہے۔ اور ہمدردی کرنے والا یہ خیال کرنے پر مجبور ہوتا ہے کہ اگر دنیا میں اسی طرح ظلم ہوتا رہا۔ اور معصوم اسی طرح بے گناہ بےقصور موت کے گھاٹ خلاف عدل و انصاف اتارے جانے لگے تو پھر بہت ممکن ہے کہ ایک دن وہ بھی اسیطرح بےقصور مار ڈالا جاسکتا ہے۔ اپنے نفس کی حفاظت فطری ہے۔ لہذا اپنے نفس پر ظلم کے امکان کا خیال اور اندیشہ بھی فطری ہے۔ لہذا ظالم سے نفرت اور مظلوم سے ہمدردی عین فطرت انسانی ہے۔ بس نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ظلم جسقدر بھی سنگین ہوتا جائیگا اسیقدر خوف اور دہشت کے آثار عام انسانوں پر زیادہ مرتب ہوں گے اور اس نسبت سے ظالم سے نفرت اور مظلوم سے ہمدردی بڑھتی جائے گی۔ یہی وجہ تھی کہ جس قدر فلسفہ واقعہ کربلا کی پردہ پوشی کی ناکامی سعی عزائے مظلوم کربلا کے خلاف علم بغاوت کرنیوالا ہمیشہ ناکام رہتا ہے اور مردود زمانہ ہوجاتا ہے کیونکہ وہ فطرت سے جنگ کرنے کی حماقت میں مبتلا ہوتا ہے چونکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ فرزند رسول الثقلین امام حسینؑ کا سا مظلوم تاریخ عالم میں نہ ابتک کوئی گذرا ہے اور نہ آئندہ اس کا امکان ہے لہذا آپ کے ساتھ کوئی بھی متنفس بلاقید قوم اور مذہب ایسا نہیں ہے۔ جسے آپ سے ہمدردی نہو کیونکہ قانون قدرت کی مخالفت انسان کیلئے ناممکن ہے کہ آپ یہ اعتراض فرمائیں کہ جب فرزند رسول الثقلین سے مظلومیت کی بناء پر محبت اور ہمدردی رکھنا قانون قدرت کا درجہ رکھتا ہے۔ تو پھر مخالفین عزا کا وجود کیسے ممکن ہوسکتا ہے یہ تو محال عقلی اور فطری معلوم ہوتا ہے

اعتراض باوجودیکہ اہم ہے مگر جواب بالکل ظاہر ہے۔ کیا بیوقوف انسان قوانین قدرت کی خلاف ورزی کی کوشش نہیں کرتا ہے و کہنا پڑیگا کہ ضرور کرتا ہے اور جسطرح وہ آگ میں ہاتھ ڈال کے پچھتاتا ہے اسیطرح عزائے مظلوم کربلا کی مخالفت کرکے سزا پاتا ہے۔ جسطرح قانون فطرت کی خلاف ورزی کرکے کوئی کبھی کامیاب نہیں ہوا۔ اسیطرح کوئی متنفس آج تک عزائے مظلوم کربلا کی مخالفت کرکے کامیاب نہیں ہوسکا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ

مخالفین عزائے مظلوم کربلا بھی حسین مظلوم کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ یہ ان کے لئے بھی ناممکن ہے کہ وہ حسین مظلوم سے اظہار بیزاری کریں۔ یہ لوگ بھی جب حسین مظلوم کے مصائب کا خیال کرتے ہیں تو لازمی طور سے یعنی فطری مجبوریوں سے آبدیدہ ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن جب عزائے مظلوم کربلا کے اثرات پر وہ نظر کرتے ہیں اور ان کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس مشن کے ذریعہ خاندان رسالت کا سکہ دلوں پہ بیٹھتا ہے۔ اہلبیتؑ سے محبت بڑھتی ہے۔ حسبنا کتاب اللہ کی پالیسی رد ہوتی ہے بنی امیہ سے نفرت اور بیزاری بڑھتی ہے تو یہی پرستاران یزید بدعت بدعت کی آوازیں لگاتے ہوئے قانون قدرت اور فطرت کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن سامنا وہی ناکامی کا ہوتا ہے۔ وائے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

دنیا مسرت طلب سہی لیکن مظلوم سے ہمدردی بھی فطری ہے۔ اور ماہرین علم النفس کے خیال سے مظلوم سے اظہار ہمدردی کرنا بہترین اور افضل ترین مسرت کے ذخیرہ پر قابض اور متصرف ہوتا ہے۔ ماحول اور زمانہ کے لحاظ سے مظلوم سے اظہار ہمدردی کے عنوان بدلتے رہتے ہیں۔ روز عاشور میدان کربلا میں اگر ہم ہوتے اور ہم میں جذبہ ایمان ہوتا۔ مذہب اور حق کی حمایت میں ایثار اور قربانی کی حمیت ہوتی تو ہم کیا کرتے؟

یزید کے لشکر میں ہوتے تو حضرت حر کی طرح یزید کے انعام و اکرام پر لعنت کرتے اور زندگی پر لات مارتے حیات پر موت کو ترجیح دیکر فرزند رسول کے قدموں پر اپنی جان قربان کر دیتے۔ اگر مظلوم کربلا کے ہمراہ ہوتے تو حسین مظلوم سے عرض کرتے حضور تشریف لے آئیں شہزادوں کو بلا لیں۔ ہم غلام حاضر ہیں بات کی بات میں خندق کھدی جاتی ہے۔ آگ روشن ہوئی جاتی ہے رات میں خیموں کا پہرہ دیتے بچے جو سوکھے کوزے ہاتھوں میں اٹھا کے "پانی" "پانی" کی آوازیں بلند کرتے تو ان پیاسے بچوں کے کنویں کھودتے یا فرزند رسول سے اجازت لیکر حضرت بریر یا حضرت عابس کی طرح کفن پہنکر نہر فرات پر پانی لینے جاتے اور مشکیزہ پانی سے بھر کر واپس پہنچتے۔ اگر ایک مشکیزہ کا پانی بہہ جاتا تو پھر دوسرا لاتے اگر وہ بھی بہہ جاتا تو تیسرا لاتے یہاں تک کہ راہ خدا میں شہید ہو جاتے۔ جب حضرت علی اکبر کے سینہ پر سنان نیزہ مارتا تو ہم سینہ سپر ہو جاتے اور سناں کا وار اپنے سینہ پر روکتے اور ہم شبیہ پیغمبر کی حفاظت کرتے۔ یا نہر فرات کے کنارے قمر بنی ہاشم کے بازوؤں پر جب پشت پر سے کوئی شقی وار کرتا تو ہم بڑھکر اس شقی کے وار کو اپنے بازوؤں پر روک لیتے اور ابوالفضل العباس کے شانے قلم ہونے نہ دیتے۔ یا جس وقت حرملہ کا تیر سہ شعبہ حلق نازنین علی اصغر کی جانب آتا ہم بڑھکر اس تیر کو اپنے گلے پر روک لیتے اور شیرخوار بچہ کو فرزند رسول کے ہاتھوں پر شہید ہونے نہ دیتے۔ زوال عصر کے بعد جب سید الشہداء اکیلے تنہا

رہ جاتے اور اپنے ناصروں کو مدد کے لئے پکارتے تو ریگ گرم کربلا پہ سے ہم اپنی کٹی ہوئی گردنوں سے کہتے۔

"مولا ہم غلام اب بھی اپنی جانیں آپ پہ سے قربان کرنے کیلئے تیار رہیں مگر کیا کریں موت نے ہم کو مجبور کر دیا ہے"

لیکن اب اگر ہم کو یہ افسوس ہے کہ ہم تیرہ سو برس دور ہو گئے تو یقیناً ہم میں ایمان کی روشنی ہے۔ اور اگر اسی جذبہ ایمانی کے ماتحت ہماری آنکھوں سے ایک بھی آنسو ٹپک پڑا ہے تو یقیناً وہ ایک بیش بہا موتی ہے جس کی قیمت صرف وہی دے سکتا ہے جو نفس کا سودا کیا کرتا ہے۔

یہ تو ایک بلند روحانیت کا مالک ہستیوں کا آنسو تھا۔ اگر ہم مصائب مظلوم کربلا سنکر یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ روز عاشور فرزند رسول خدا نے حمایت حق اور نصرت اسلام کیلئے کیسی کیسی قربانیاں پیش کی ہیں اور ایک ہم ہیں کہ اپنی ساری عمر لہو ولعب میں کاٹا کرتے ہیں۔ اپنے نفس کا خود ہی خود جائزہ لینے کے بعد اور اپنی بدکرداری پر ایک نظر ڈالنے کے بعد خود اپنی جگہ پر شرمندہ ہوئے۔ اور احساس کی لہر پیدا ہوئی تو پھر تاسف کا جذبہ رلا کر چھوڑیگا۔ گریہ فطری ہوگا رونا لازمی ہوگا۔ اس وقت کا آنسو بھی نہایت آبدار معصیت سوز اور تعمیر اخلاق و تربیت کردار کی داغ بیل ڈالنے والا ہوگا۔

حسینؑ مظلوم پر ایک قسم کا رونے والا وہ ہے جو مجسمہ معصیت ہوتا ہے جس کی ساری عمر فسق و فجور میں کٹتی ہے۔ جو ارتکاب جرائم اور گناہ کو اپنی زندگی کا سرمایہ بنائے رہتا ہے۔ لیکن ادھر افق مغرب پہ محرم کا چاند نمودار ہوا اور اس کے دل میں حسینؑ مظلوم کی یاد تازہ ہوئی کہ فرزند رسول خدا نے معصیت۔ فسق و فجور۔ شراب خواری۔ زناکاری۔ ظلم و استبداد ملوکیت سرمایہ داری۔ بربریت اور فرعونیت کا کیا زبردست مقابلہ کیا۔ اور بقائے اسلام کے لئے کیسی کیسی قربانیاں راہ خدا میں پیش کیں۔ بس اس خیال کے آتے ہی وہی معصیت زدہ آدمی ایک دم تائب ہو جاتا ہے۔ وہی عیش و عشرت کا بندہ اب حزن و ملال کی تصویر بنتا ہے۔ ہنسنا مسکرانا گناہ سمجھتا ہے رونے اور آنسو بہانے میں لذت اور محسوس کرتا ہے۔ یہی وہ اعجاز حسینی ہے جس کی طرف خود مظلوم نے ارشاد فرمایا ہے۔ حسین مظلوم پر رونا یقیناً تربیت کردار کا ضامن ہے۔ اگر سید الشہداء میں مقناطیسی کشش نہ ہوتی تو تھیٹر کے ایکٹر۔ سینما کے اداکار۔ موسیقی کو ذریعہ معاش بنانیوالے اسطرح کے اور بہت سے پیشہ ور جن کا کام ہنسنا اور ہنسانا ہے کبھی ایام عزا میں بالکل تائب ہوکر حسینی نہ ہو جاتے۔ یہ مظلومیت کی شان ہے۔ بس ایک مرتبہ مظلوم کربلا کے مصائب سے انسان واقف ہو جائے ——— اس کے بعد وہ کیا ہی معصیت زدہ انسان کیوں نہ ہو اسے ایام عزا میں معصیت میں آلودہ رہتے شرم ضرور آئے گی۔ "حسینؑ تو معصیت کو نیست و نابود کرنے کے لئے اپنی جان قربان کریں اور تو معصیت نوازی میں مصروف رہے"۔ بس یہ خیال انسان کو تائب کر دیتا ہے۔

حسینؑ مظلوم کے مصائب کوئی سن لے یہ ممکن نہیں کہ وہ رو نہ دے دشمن بھی روئے۔ اب بھی روتے ہیں۔ اور ہمیشہ روتے رہیں گے حسینؑ مظلوم پر رونا قوانین قدرت اور فطرت کے لحاظ سے قدرتی اور لازمی ہے اسلئے کہ جب انسان قوت متخیلہ کو بروئے کار لاکر غور کریگا کہ دنیا میں بھلا بے گناہ۔ بے قصور۔ امن پسند۔ صلح جو معصوموں پر بھی ایسے ایسے زبردست مظالم توڑے جا سکتے ہیں تو پھر خود اس کا نفس اس عالم گیرودار میں کیسے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اپنے نفس کی صیانت و حفاظت کے خیالات اس کے دل و دماغ میں ہیجانی کیفیت پیدا کردیتے ہیں۔ خوف اور دہشت کے آثار جہاں پیدا ہونے ظالم سے نفرت اور اظہار بیزاری اور مظلوم سے محبت و ہمدردی پیدا ہونا قدرتی ہوجاتی ہے۔ اس قسم کے جذبات کے تلاطم میں آنکھوں کا آبدیدہ ہوجانا فطری امر ہے۔ لیکن جب اسی دشمن اہلبیت کی رگ یزیدی تڑپ اٹھتی ہے تو پھر اسی فعل فطری کو بدعت کہہ کر خلاف فطرت عمل کی تلقین کرتا ہے۔ اس نکتہ فلسفی کو حسب ذیل مثال سے دیکھئے

ملک انگلستان کے مشہور شہر لندن کے ایک تھیٹر میں کنگ لیر یعنی شاہ لیر کا تماشہ ہورہا تھا۔ جس وقت وہ منظر دکھایا گیا جب کہ بیرحم خود غرض اور مکار لڑکیوں نے اپنے باپ کے تخت و تاج پر قبضہ کرلینے کے بعد اسے اندھیری برف باری والی رات میں گھر سے باہر جنگلوں میں نکلوا دیا اور وہ بڈھا باپ سردی میں کانپتا ہوا پناہ ڈھونڈتا پھرتا ہے اس کی اس مصیبت اور پریشانی کو دیکھ کر ایک میم صاحبہ کے دل میں خوف و دہشت کے آثار پیدا ہوتے ہیں۔ اور وہ جذبات ہمدردی کا شکار ہو کر صنعف دل شدہ بڈھے بادشاہ کی مصیبت کا احساس کرکے زار و قطار رونے لگتی ہیں تماشہ نصف شب کے بعد ختم ہوتا ہے۔ اور وہ تھیٹر سے باہر نکلتی ہے اس میدان میں آتی ہے۔ جہاں برف گررہی تھی اور گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔

غریب کوچبان برف باری اور شدید سردی کی وجہ سے اینٹھ گیا تھا۔ وہ زمین پر بےہوش پڑا تھا۔ مالکہ نے پہلے تو اپنی بیوی کی ٹھوکروں سے اس کوچبان کو ہوشیار کرنے کی کوشش کی لیکن جب وہ ہوشیار نہ ہوسکا تو انھی میم صاحبہ نے جو ابھی تھیٹر میں فرضی بادشاہ پر نشوے بہارہی تھیں اسے چابک مارنا شروع کردئے یہانتک کہ وہ بیچارہ کوچبان مار کھانے کی تکلیف سے ہوش میں آیا۔ تب میم صاحبہ اپنے گھر تشریف لے گئیں۔

مضمون طولانی ہوتا جاتا ہے اور رسالہ کی صورت اختیار کررہا ہے لہذا مناسب یہی ہے کہ اب میں اسے یہیں پر ختم کردوں۔

اس مختصر سی تمہید سے یہ بات تو ضرور واضح ہوگئی ہوگی کہ مظلوم کربلا پر رونا عین فطرت انسانی ہے۔ انسان کے دماغ میں ذرا سی بھی قوت متخیلہ ہو۔ اس کے سامنے سانحہ کربلا کے صحیح واقعات بیان کردئے جائیں۔ تو یہ ناممکن ہوگا کہ وہ ظالم اور ظلم سے نفرت نہ کرنے لگے مظلوم سے اس کے دل میں ہمدردی نہ پیدا ہوجائے۔ دہشت اور خوف کے متلاطم جذبات دل سے مظلوم کربلا پر آنسو بہانے پر مجبور نہ کردیں۔ حسینؑ مظلوم پر آنسو بہانے کے بعد تحریک عمل کی منزل شروع ہوتی ہے۔ یقیناً وہ بلند مرتبہ ہستیاں ہوتی ہیں جو سانحہ کربلا کو تکمیل نفس کے لئے نمونہ عمل بناتی ہیں۔ لیکن وہ جو محض حسینؑ پر رو کر خاموش ہوگئے اور روحانیت کی نشو و تربیت کے لئے کوئی سبق حاصل نہیں کیا ان کا رسمی رونیوالوں کا درجہ ان میم صاحبہ سے بہتر نہیں معلوم ہوتا ہے جو تھیٹر میں ایک ایکٹر پر مصنوعی برف باری کو دیکھ کر تو زار و قطار رونے لگیں لیکن اپنے اس کوچبان پر شمہ برابر رحم نہ کھایا جو باہر برف باری میں پڑا اینٹھ رہا تھا۔ اس قسم کے رونیوالے زیادہ تر اسی صف میں پائے جاتے ہیں جو ایک طرف تو عزائے سید الشہداء کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف خود ستا ہو کر یہ فرماتے ہیں کہ ہم کو واقعہ کربلا سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔

واعظان کیں جلوہ بر محراب و منبر میکنند
چوں بخلوت میروند آں کار دیگر می کنند

ذرا کوئی ان سے پوچھے کہ خود جناب نے کون سے سبق حاصل کئے اور ایثار اور قربانی کے کون سے جذبات پیدا کئے؟ روحانیت کو کس درجہ اعلیٰ تک پہونچایا؟ تکمیل نفس میں کہانتک کامیابی حاصل کی؟ کردار کہانتک بلند پایہ ہوا؟ ایسے نفوس کا جب جائزہ لیجئے گا تو ہر سوال کا جواب نفی ملیگا اور ملنا ہی چاہئے۔ اسلئے کہ تربیت کردار تو آخری درجہ ہے۔ بانس پھنگی کیطرف سے کب اٹھ سکتا ہے پہلے مظلوم سے ہمدردی پیدا ہو۔ ہمدردی کی فراوانی سے محبت پیدا ہو۔ محبت جب گہری اور پرخلوص ہوگی تو مصائب کا تذکرہ بغیر آنسو بہائے سننا محال ہوگا۔ اب یہاں سے امید پائی جاتی ہے کہ یہ شخص جو مظلوم پر گریہ کررہا ہے یقیناً اس میں فی الجملہ مظلوم کے نقش قدم پر چلنے کی جرأت اور ہمت پیدا ہوگئی ہے حسین مظلوم پر رونا درحقیقت تربیت کردار کے ٹریننگ اسکول یا تکمیل نفس کے درجہ میں داخلہ کے لئے ضروری اور لازمی سند ہے پس جو شخص حسین مظلوم پر رونے کو نظر انداز کرنے کے قابل سمجھتا ہے وہ سر کے بل سفر طے کرنے کی سعی لاحاصل کرتا ہے علم النفس کے اعتبار سے یہ ایک ناقابل عفو غلطی ہے۔ یہ وہ پرخطر راستہ ہے جو ترکستان کو جاتا ہے۔ حسینؑ مظلوم پر رونا ہر حالت میں فعل فطری ہے۔ اسے روکنا فطرت سے جنگ کرنا ہے اسی بنا پر عزائے حسینؑ مظلوم کے مخالفین ہمیشہ ناکام رہا کئے اور جبتک دنیا میں موجودہ اصول پر قائم ہے اور بنی آدم کی سرشت میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا ہے اس وقت تک یہ لوگ ناکام ہی رہیں گے۔

لیکن حسینؑ مظلوم پر محض رسمی طور سے رونے پر اکتفا کرنا ایسا ہی سے بے معنی چیز ہے۔ جیسے جنت کے دروازہ پر پہونچکے اندر داخل ہونا گود میں موتیوں کا ڈھیر لیکر پھینک دینا گیہوں کی عمدہ فصل بغیر محنت

وجانفشانی تیار کرنا اور فصل کاٹنے کے بعد محض بھوسہ گھر اٹھا لاتا اور بالیوں کو وہیں کھیت میں چھوڑ دیتا ہے۔ اگر حسینؑ مظلوم سے واقعی محبت ہے اور یہ رونا تمہارا محبت کی وجہ سے ہے تو پھر جس اسلام کو زندہ کرنے کے لئے حسینؑ نے اپنا خون بہایا کیا تم سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ تم اپنا پسینہ ہی بہا دو۔ واقعی شیعہ ہونا مشکل چیز ہے۔ یاد رکھو جن کے تم ہیں سوا انکے سوا مشکل ہے۔ حسینؑ مظلوم نے تو تیروں کی بارش میں نماز ادا کی۔ زیر خنجر شمر نماز پڑھی۔ اسی نماز کے لئے اپنی اور اپنے عزیز اور انصار کی گردنیں کٹائیں۔ تو کیا یہ سب حسینؑ نے صرف اسلئے کیا تھا کہ قیامت تک کے لئے ان کے دوستدار ماتمدار اور عزادار سب نماز کے فریضہ سے بے نیاز ہو جائیں؟ نہیں ہرگز نہیں یہ تو عیسائیوں کا خیال ہے۔

یقیناً بڑا ڈھیٹ اور مجبور ہے وہ شخص جو حسینؑ پہ رونے کو تو غیر ضروری کہتا ہے۔ لیکن حسینؑ مظلوم کے نقش قدم پر چلنے کی کھلا پھاڑ پھاڑ کر قوم و ملت کو تلقین کرتا ہے۔ مگر خود اپنے لئے سب سے زیادہ واجب یعنی نماز تک غیر ضروری سمجھتا ہے۔ ایثار اور قربانی تو بڑی چیز ہے ایسے شخص کے قول کا کیا اعتبار جس کا فعل خود اس کی رد کرتا ہو۔

مختصر یہ کہ حسینؑ مظلوم پر رونا دنیا و آخرت میں نجات کا ضامن ہو سکتا ہے اگر انسان اسے ذریعہ عمل بنا لے۔ دوسرے جبکہ صحن عالم میں سرشت انسانی میں مظلوم سے ہمدردی کا جذبہ باقی ہے حسینؑ مظلوم پر گریہ و بکا رک نہیں سکتا۔

پیغامِ عمل

نتیجۂ فکر بلند جناب سید علی نصرت صاحب نصرت بجنور ضلع لکھنؤ

انقلاب ایسا خدائی بھر میں پیدا کر دیا
کفر کی دنیا میں تو نے حشر برپا کر دیا

اے حسینؑ ابن علیؑ اے مقصد ذبح عظیم
تو نے دین احمدی کا بول بالا کر دیا

سر کٹا کر ڈال دی تو نے بنائے لا الہ
دستِ حق کے واسطے کار مسیحا کر دیا

نسل اسمٰعیلؑ کو تو نے لگائے چار چاند
اوج خورشید رسالت کا دوبالا کر دیا

اس نمودداری سے تو نے جنگ باطل فتح کی
شان تیری بڑھ گئی ظالم کو رسوا کر دیا

تیری مظلومی کی قوت تھی جواب برق طور
جس نے غصبی سلطنت کو پارا پارا کر دیا

اپنے خوں سے تو نے سینچا گلشن اسلام کو
لالہ زار دین کا تو نے رنگ چوکھا کر دیا

درد ملت درد قومی کی چمک اٹھنے لگی
درد کا احساس تو نے دل میں پیدا کر دیا

مادی قوت سے دب سکتی نہیں روحانیت
کو کہ اٹھی دنیا وہ تو نے حق کا چرچا کر دیا

ڈوبکر بحر فنا میں اے شہید راہ حق
کشتئ دین نبی کا پار بیڑا کر دیا

تو نے باطل کر دیا غصبی سیاست کا طلسم
یعنی فرق کفر و ایماں آشکارا کر دیا

قطرۂ خوں میں سما کے وہ ملائے وحدت ہو نہاں
چند قطرۂ مل کو ملا کر تو نے دریا کر دیا

اک نگاہِ لطف سے تو نے ہوئے دل جڑ گئے
غم زدوں کے درد کا تو نے مداوا کر دیا

لے سبق اے قوم تو بھی حضرت شبیرؑ سے
نور سے جس نے دو عالم میں اجالا کر دیا

سر کٹا کر راہِ حق میں زندہ جاوید بن
سہل شہ نے ہم مسلمانوں پہ مرنا کر دیا

بات پر مرنا سکھایا حضرت شبیرؑ نے
سرفروشی ہم مسلمانوں کا شیوہ کر دیا

پیروی کر پیروی اے قوم تو شبیرؑ کی
نظم کے پردے میں نصرت نے اشارا کر دیا

کلام طاہر مدظلہ

کلام بلاغت نظام استاد یگانہ وحید العصر جناب مرزا محمد طاہر صاحب رفیع مدظلہ العالی جانشین خدائے سخن حضرت دبیر مغفور۔

فلک کے ظلم و ستم کا خیال کون کرے
اسی میں خوش ہے جو قسمت ملال کون کرے

کریم خود ہی سمجھ لے سوال کون کرے
نہیں ہے اپنی خبر عرض حال کون کرے

ملاؤنگا نہ کبھی ہاں میں ہاں میں اے بلبل
خراب ساتھ ترے بول چال کون کرے

بس ایک جام میں اٹکا ہے دم پلا ساقی
محل کے رنگیٔ جاں انتقال کون کرے

درخت سوکھے ہوئے کہتے تھے پیمبر سے
نہ چاہیں آپ تو ہمکو نہال کون کرے

تمہیں ہو باپ کا دل اے رسول کی بیٹی
بھر امر قدر اذانِ بلال کون کرے

سوائے نور خدا قبر کس سے روشن ہو
شب فراق کو سعدیہ وصال کون کرے

ہلال و بدر سے پوچھو مجھے نہیں فرصت
بیان حال عروج و زوال کون کرے

نجف سے دیکھئے در پر حسین تنہا ہیں
سوار لے اسد ذوالجلال کون کرے

علیؑ زبان خدا ہیں سبا سکے ہیں قائل
نبی کا قول ہے پھر قیل و قال کون کرے

بچھے ہیں راہ میں دل لے سمند جان رسولؐ
جو تو نہو تو انھیں پائمال کون کرے

تھا دو جہان کا جو مالک اسے برا سمجھا
رفیع پھر ہوس ملک و مال کون کرے

سلام خبیر مدظلہ

سلام مصنفہ عالیجناب سید سرفراز حسین صاحب خبیر لکھنوی مدظلہ

گلہ پھر کیوں خطا کا دلمیں شاہ بحر و بر رکھے
حر ذیجاہ نادم ہو کے جب قدموں پہ سر رکھے

معطل اپنے امر زندگی کو کیوں بشر رکھے
کسی کا ہو رہے خود یا کسی کو اپنا کر رکھے

وہ خوں تقسیم ہو افسوس تیغ و تیر و نیزہ پر
تبرک جان کر جسکو نبی شیشہ میں بھر رکھے

ادب سے یوں جگہ نیزے نے دی فرق شہ دیں کو
کوئی جسطرح سے قرآن کو بالائے سر رکھے

ٹھہرا ئے مہر گردوں نہ ہو گی زحمتِ رجعت
نبی زانوئے حیدر پہ ابھی سوتے ہیں سر رکھے

سلوک ایسا ہی ہوتا ہے فلک کا حق پرستوں سے
کوئی خنجر اٹھائے اور کوئی سجدے میں سر رکھے

میان خندق و خیبر معلق شاہ مرداں تھے
قدم جب یوں سبکدوش تب نبی کے دوش پر رکھے

خبیر آنے نہ پائے غیر کے مضمون کا پر تو بھی
خیال اسکا ہر اک شاگرد اوج نامور رکھے

رباعی

آزادیٔ دنیا سے اسیری اچھی
سرکش جو شباب ہو تو پیری اچھی
بندوں میں خودی کی شان آجاتی ہے
ہمکو تو امیری سے فقیری اچھی

حسینؑ کی آخری عرضداشت

(نوشتہ عالیجناب محمد حسین صاحب پیراک فاضل ادب)

عالم انوار و عالم اجسام کو خلق کرنے والے اور رہبر و رہنمان کے لئے ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون (میں نے جن و انس کو عبادت کے لئے خلق کیا) کا حکم نازل کرنے والے میں صبح ازل سے مخلوق تھا۔ اور جب انسان عدم سے وجود میں آ رہے تھے۔ اس وقت بھی میرا نور تیری وحدت کی گواہی دے رہا تھا۔ اور جب تو نے آخری پیغمبر کو لباس نبوت سے آراستہ کر کے بھیجا اسوقت بھی میں تیری تسبیح تقدیس میں محو تھا۔ اور جب میں عالم امکان میں آیا تو تیرے نبیؐ نے ہمکو خبر شہادت سنائی اسوقت بھی میں نے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔

یاد ہے تجھکو بچپن کی وہ داستان جب تیرا نبیؐ اور میرے نانا میرے باپ کے گھر آئے تھے اور ام ایمن کا بھیجا ہوا دودھ تناول فرما کر سر بسجود ہو گئے تھے اور جب سر سجدے سے اٹھایا تھا تو اس حالت میں کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر تھی اور جب میں نے اپنے نانا سے رونے کا سبب دریافت کیا تھا تو تیرے نبیؐ نے کہا تھا کہ ابھی جبرئیل نازل ہوئے تھے اور وہ خبر دے گئے ہیں کہ مقام طف پر حسینؑ بھوکا پیاسا شہید ہوگا اے پیدا کرنیوالے میں اسوقت بھی تیری رضا پر راضی تھا۔

(دیکھو جذب القلوب الی دیار المحبوب شاہ عبدالحق محدث دہلوی)

میں وہی حسین ہوں اور آج اس قتل گاہ میں جسکو عاشور کہتے ہیں موجود ہوں۔ میرے مالک اس میدان کارزار میں میں نے اتمام حجت کے لئے انتہائی بیکسی اور منت سے کہا کہ وہ کوفہ و شام والوں مجھے تمکو سمجھانے اور راہ حق دکھانے کا حق ہے میرا عذر سنو اور غور کرو عجلت نہ کرو اگر تم نے میرا کہنا مان لیا تو سعادت دارین حاصل کروگے اور میری مخالفت پر کوئی دلیل نہ قائم کر سکوگے اور اگر تم میرا کہنا ماننے کو تیار نہیں ہوتے ہو تو فاجمعوا امرکم وشرکاءکم ثم لا یکن امرکم علیکم غمۃ ثم اقضوا الی ولا تنظرون ان ولی اللہ الذی نزل الکتاب وھو یتولی الصالحین تم اور تمہارے شریک کار ملکر ایک فیصلہ کریں جو سب پر روشن ہو جائے اور جو تمہیں کرنا ہے کر ڈالو مجھے بھی نہ دو میرا ولی اور پشت پناہ وہ ہے جس نے قرآن نازل کیا اور وہی صالحین کا حامی و ولی ہے۔ میں تو رسولؐ کا نواسہ ہوں کیونکر میرا قتل زیبا ہے کیا میں فاطمہ بنت محمدؐ کا فرزند نہیں۔ یا رسولؐ نے میرے اور میرے بھائی کے لئے جوانان بہشت کا سردار نہیں فرمایا اگر یہ صحیح ہے تو بتاؤ کہ میرا قتل کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

اے بیکسوں کی سننے والے میں نے اتمام حجت کے طور پر جو کچھ کہا اس کا جواب عمر نے جو دیا اس سے میرے دل پر ضرب کاری لگتی ہے اس کا بھی تجھکو علم ہے کہ حبیب ابن مظاہر نے میری حمایت میں کیا جواب دیا۔

میرے مالک جب سب خاموش رہے تو میں نے نام لیکر اتمام حجت کے لئے کہنا شروع کیا۔ اے شیث بن ربعی۔ اے حجار بن ابجر اے قیس بن اشعث۔ تم بتاؤ کہ تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ پھل پک چکے ہیں دریا جوش میں ہے فوجیں تیار ہیں جلد آؤ اور ہماری ہدایت کرو۔ اس کا جواب یہ ملا کہ پھر تم یزید کی بیعت کیوں نہیں کر لیتے۔ اور تمہارے ساتھ بہترین سلوک کیا جائے۔

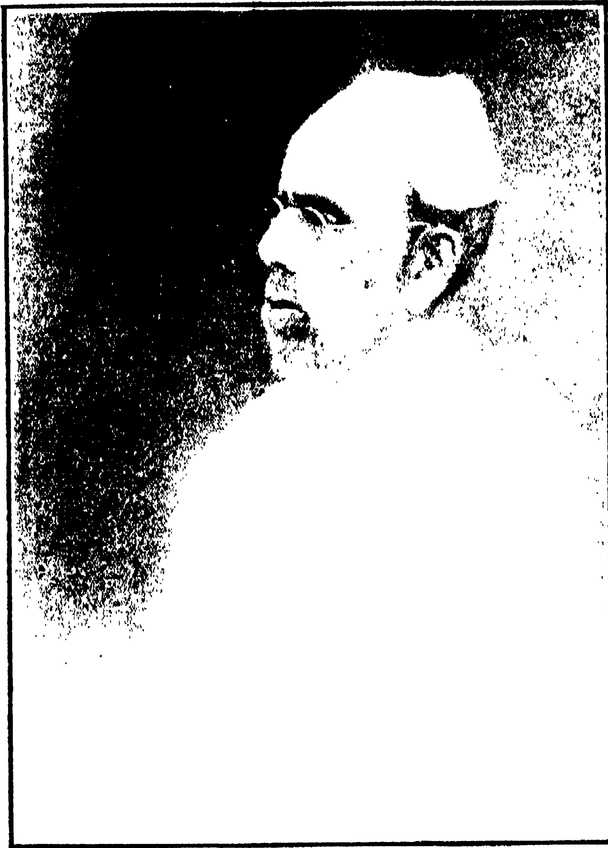
میں نے صاف انکار کر کے کہا لاحول ولا قوۃ الا باللہ میں یزید فاسق فاجر کی بیعت کروں غیر ممکن ہے۔

میں اپنے اور تمہارے رب سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کر دو۔

تفصیل دیکھو طبری جلد ساتویں

خداوندا یہ تمام حجت تیرے حسینؑ نے ختم کر دی مگر بے سود ہوئی اب میں اس حالت میں ہوں کہ تین دن کا بھوکا پیاسا۔ گرمی کی شدت ایسی کہ پتھر شق ہوئے جاتے ہیں آفتاب دہکتے ہوئے شعلہ کی طرح سرخ اور اس کی تیزی زرہوں کی کڑیوں کو لال کئے دیتی ہے سیاہ آندھیاں میرے قتل کا انتظار کر رہی ہیں نہر فرات کروٹیں بدلنے کو تیار ہے زلزلے دنیا پلٹ دینے کا ارادہ رکھتے ہیں آسمان خون برسانے والا ہے۔ انصار جدا ہو چکے عباس شہید ہو گئے اکبر کو موت آ چکی قاسم مار ڈالے گئے اصغر نے مسکرا کر دنیا سے منھ موڑا۔

بس اک تیرا حسینؑ ہے جو زخموں سے چور چور تیر و نیزہ و شمشیر سے گھائل ریگ گرم پر پڑا ہوا تیری رضا چاہتا ہے زخموں کی کثرت۔ چبھتے ہوئے تیروں کی اذیت اور اس پر قاتل کے زانو کا وزن خشک گلا اور کند چھری الم رم کا خیال بہن کی فریاد سکینہ کا اضطراب یہ سب میرے امتحان و آزمائش کا ذخیرہ ہیں اے قادر مطلق میں کبھی وہ صبر دکھا رہا ہوں جس کا اجر رضا کے سوا کچھ نہیں چاہتا۔ اے رحیم وہ شمر نے خنجر چلایا" اور یہ مجھ بیگناہ کے خون کا پہلا قطرہ ٹپکا عنقریب روح جسم سے پرواز کرنے والی ہے۔ کٹتی ہوئی رگوں اور سوکھے ہوئے ہونٹوں سے آخری عرضداشت یہ ہے کہ تو میرے نانا کی امت کو بخش دے۔



سرکار ناصر الملتہ مدظلہ العالی جن کی آنکھ کا حال میں کامیاب اپریشن ہوا



اداراہ اسد و ہمدردان اسد



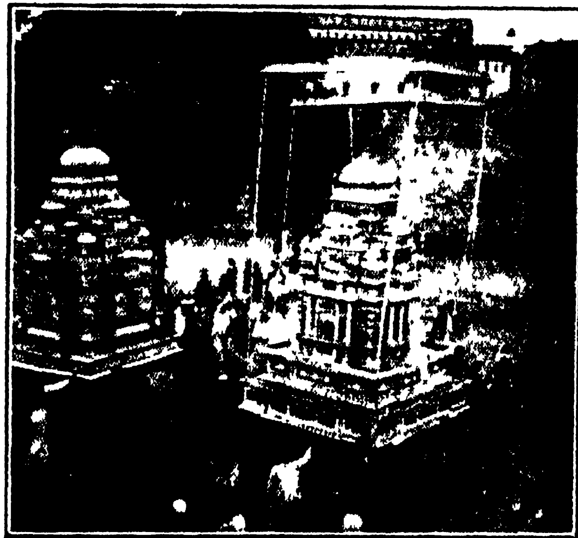
رائے صاحب ڈاکٹر مہیش پرشاد انچارج خیرآباد اسپتال جنھوں نے سرکار کی آنکھ کا کامیاب اپریشن کیا



جناب ضیاء الحسن صاحب عبقاتی نبیرہ سرکار ناصر الملتہ مدظلہ



ذوالجناح ضریح حسین اباد لکهنو



ضریح مبارک حسین آباد لکهنو



نواب حیدر صاحب حاکم مشهد مقدس

گریہ کی سیاسی حیثیت

(ایک طالب علم کے قلم سے)

مجھے اسوقت اس امر سے بحث کرنا مقصود نہیں کہ گریہ فی نفسہٖ ایک فطری شے ہے یا نہیں؟ انسان پر جب کوئی مصیبت ٹوٹتا ہے تو اُسے رونا آتا ہے یا ہنسی؟ جب وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اُسوقت اُس کی آنکھوں سے اشکہائے گرم ریختہ ہوتے ہیں یا دہن سے قہقہہ کی صدائیں بلند ہوتی ہیں؟ کیونکہ یہ ایک ایسی نفسیاتی چیز ہے جس کا سابقہ ہر فرد بشر کو ہوتے رہنے کی وجہ سے میدان انکار تنگ نظر آتا ہے البتہ ہٹ دھرمی اور تحکم دوسری چیز ہے۔ اسی طرح اسوقت مجھے اس سے بھی بحث کرنا مقصود نہیں ہے کہ گریہ فطری حیثیت رکھنے کی وجہ سے اسلامی قانون میں جائز بھی ہے یا نہیں؟ یا انبیا و اوصیا کے سوانح حیات پر سرسری ہی نظر ڈالنے سے اس کا سیرت ہونا ثابت ہوتا ہے یا بدعت ہونا کیونکہ جب اسلام کے دو بڑے طبقہ سنی و شیعہ کے علمائ نے اپنی اپنی کتب میں یہ روایتیں نقل کی ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی مصیبت پر جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم روئے جناب امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام روئے صدیقہ طاہرہ جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ وسلامہ علیہا روئیں امام حسن علیہ السلام روئے اور خود امام حسین علیہ السلام نے گریہ کیا تو یہ امر اظہر من الشمس ہوجاتا ہے کہ اصل گریہ قانون اسلامی میں بھی جائز ہے کیونکہ العیاذ باللہ یہ ذوات مقدسہ بنص قرآنی کبھی بھی اُس امر کا ارتکاب نہیں کرسکتیں جو خلاف شرع یا حرام ہو۔ بلکہ مجھے تو اسوقت اس امر سے بحث کرنا مقصود ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے واقعہ شہادت پر ۱۲۹۵ برس ہوگئے۔ یہ رسم چلی آتی ہے کہ لوگ صف ماتم بچھا کر نوحہ فریاد گریہ و شیون کرتے ہیں اسکی مقدار میزان سیاست میں کیا ٹھہرتی ہے؟

آپکو اپنی گھریلو زندگی میں اس بارہا سابقہ ہوا ہوگا کہ ایکماں کے دو بچے ہوں دونوں سے اُسکی محبت بالکل برابر ہو ایک ہنسی خوشی اپنی والدہ سے کسی چیز کی فرمائش کرتا ہے ماں اُسے سمجھا بجھا کر ٹالدیتی ہے لیکن دوسرا بچہ رونے پر کمر باندھ لیتا ہے ایسی حالت میں اس ماں کے لئے سوا اس کے کوئی اور چارہ نظر نہیں آتا کہ وہ کسی صورت سے اس بچہ کی فرمائش کو پورا کرے کیوں اسلئے کہ وہ رو رہا ہے اور کسی طرح بغیر فرمائش پورے ہوئے اُس کے آنسو تھمنے والے نہیں جس کی حرارت ماں کے دل کو موم کی طرح پگھلا رہی ہے ایسی حالت میں ماں مجبور ہوتی ہے کہ کسی طرح اس بچہ کو خاموش کرے جس کا انحصار بدرجہ مجبوری اسی میں ہوتا ہے کہ وہ بچہ کی فرمائش کو پورا کردے۔

کہتی تھیں زینبؑ ردا چھنتی ہے اکبرؑ دیکھنا

(از تصنیف لطیف شاہزادہ سپہر جاہ میرزا محمد حامد علی صاحب بہادر عرف بابو صاحب شیدا۔ نبیرہ شاہزادہ سپہر شکوہ میرزا محمد شمس الدین حیدر صاحب بہادر عرف چھوٹے صاحب عالم بہادر مرحوم و مغفور جنت مکین)

ہے ازل سے دلمیں اپنے حب حیدرؑ دیکھنا — سب کے پہلے ہم پئیں گے جام کوثر دیکھنا
فوج ظالم سے مخاطب ہوکے قاسمؑ نے کہا — قتل ہوتا ہے یہ ازرق مثل عنتر دیکھنا
قوت حیدرؑ سے خائف ہوکے کہتے تھے ملک — ہاتھ میں مثل سپر ہے باب خیبر دیکھنا
شاہ نے فرزند سے روکر کہا وقت وداع — سامنا جب تک رہے مڑ مڑ کے اکبرؑ دیکھنا
مدح اہل بیت کا اک دن ملے گا یہ صلہ — گھر ملیں گے خلد میں بہتر سے بہتر دیکھنا
قتل ہوکر جب گرا مرحب نبیؐ نے دی صدا — کٹ گئے جبریلؑ کے پر ضرب حیدرؑ دیکھنا
آؤ جلدی کبریا کے واسطے ہمدرد — کہتی تھیں زینبؑ ردا چھنتی ہے اکبرؑ دیکھنا
مجلس شبیرؑ میں آنسو جو نکلیں گے یہاں — کان میں حوروں کے ہونگے مثل گوہر دیکھنا
شاہ کہتے تھے نہ بھولوں گا میں اصغرؑ حشر تک — وہ تمہارا وقت رخصت سوئے مادر دیکھنا
قتل تو کرتا تو ہے یہ شمر سے شہ نے کہا — خاک اڑاتے آئیں گے جنت سے حیدرؑ دیکھنا
میں ثناخوان حسینؑ ابن علیؑ ہوں بعد مرگ — قصر جنت لونگا شیدا سب سے بہتر دیکھنا

آپ کے دروازہ پر دو سائل آتے ہیں ایک خاموشی کے ساتھ آواز لگاتا ہے آپ اُسے اگرچہ وہ فی الواقع کتنا ہی محتاج کیوں نہو معمولی اعانت کرکے واپس کردیتے ہیں لیکن دوسرا سائل اپنے سوال کے ساتھ آوازِ گریہ کو بھی بلند کرتا ہے اپنی مصیبت کو رو رو کر وارد کرتا ہے ایسی حالت میں اگرچہ یہ فقیر فی الاصل کوئی محتاج نہو اُسکی بیان کردہ مصیبت فی الواقع بالکل جھوٹ ہو آپ اسیر مجبور نظر آئینگے کہ اسکی پہلے فقیر سے بہت زیادہ ممکن اعانت کریں

ایک حاکم کے سامنے دو مقدمے پیش ہوتے ہیں ایک شخص حاکم کی سزا کو خندہ پیشانی سے سُن لیتا ہے لیکن دوسرا گڑگڑا کر رو کر حاکم سے درخواست رحم کرتا ہے اسکی آہ و زاریاں اسکے اشکوں کی لڑی اسکی بندھی ہوئی ہچکی خود سفارش کرتی ہے کہ حاکم اگر اُسے قانوناً بالکل معاف نہیں کرسکتا تو کم از کم اگرچہ وہ پوری سزا کا مستحق ہو حاکم اُسیر اپنے دل کی تاثری حالت سے مجبور ہو کر اُسکی سزا میں اپنی امکانی کوشش کو صرف کرکے کمی ضرور کردیگا۔

ایک شخص کو اپنے دشمن پر غصہ آتا ہے دشمن اسکے غصہ کی پرواہ نہیں کرتا لہذا یہ شخص موقع پاکر اپنے دشمن کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیتا ہے لیکن اُسکا دوسرا دشمن جب اپنے کو اس شخص کے سامنے معرضِ ہلاکت میں پاتا ہے تو داد فریاد کرتا ہے آہ و زاری کرتا ہے گریہ و شیون کرتا ہے اس صورت میں یہ شخص باوجود غیظ و غضب کی حالت کے اپنے کو اسیر مجبور پاتا ہے کہ اپنے اس دشمن کو عدم کی دنیا نہ دکھلائے اگرچہ یہ بھی کیوں نہ محسوس کر رہا ہو کہ یہ دشمن اُس ہلاک شدہ دشمن سے زیادہ عداوت برت چکا ہے اور آئندہ بھی اسکی اذیت رسانی کی توقع امید سے زیادہ کیوں نہو۔

ماں نے خاموشی سے مانگنے والے بچے کی فرمائش کو ٹال کر رونے والے بچے کی فرمائش کیوں پوری کی؟ خاموشی سے طلب کرنیوالے سائل کی معمولی اعانت اور گریہ و زاری کرنے والے سائل کی غیر معمولی اعانت کیوں کی گئی؟ حاکم نے خندہ پیشانی سے سزا سُن لینے والے کی سزا کی معافی یا اس میں کمی کیوں نہ کی اور نالہ و شیون کرنیوالے کو کیوں معاف کردیا؟ ایک نہ رونے والے دشمن کو قتل کرکے اس سے زیادہ موذی گریہ کرنیوالے دشمن کو زندہ کیوں چھوڑ دیا گیا؟ محض اسلئے کہ ان افراد کے پاس وہ آلہ تھا جو تلوار سے زیادہ تیز نیزہ کی نوک سے زیادہ جلد کام کرنیوالا ہے،

جو پتھر کو موم اور لوہے کو نمک بنا دیتا ہے، بڑے سے بڑے آلہ حرب کا خالی جانا ممکن ہے لیکن اسکا وار ایک انسانی پہلو میں رکھنے والے دل پر بغیر اپنا کام کئے خالی نہیں جاتا یعنی "گریہ" یہ کیوں؟ اسلئے کہ گریہ مظلومی کی علامت ہے، مظلومیت ہی وہ طاقت ہے جسکے آگے بڑے بڑے جابرہ کے سر تسلیم خم ہوجاتے ہیں بڑے بڑے سنگدل ظالم بدخو کینہ پرور اشخاص جبین نیاز جھکا دیتے ہیں اگر مظلومیت حقیقی ہے تو آسمان خون کے آنسو روتا ہے آفتاب میں گہن لگ جاتا ہے ماہتاب میں خسوف نمودار ہوجاتا ہے تارے جھلملانے لگتے ہیں پہاڑ آپس میں ٹکرانے لگتے ہیں دریا میں تموج پیدا ہوجاتا ہے دیواریں اپنی اساس چھوڑ کر بلند ہوجاتی ہیں قندیلیں بجھ جاتی ہیں طبق ارض و سما میں تہلکہ مچ جاتا ہے دنیا مغموم نظر آتی ہے کائنات نوحہ کناں نظر آتے ہیں حتیٰ کہ دنیا کی ہر چیز طیور و وحوش حشرات انسان درخت پتھر زمین آسمان پر آثار غم نمایاں منظاہر ہوجاتے ہیں۔ پھر جب مظلومیت میں اتنی طاقت ہے تو اسکے لازم اور خاص علامت "گریہ" میں بھی یہی قوت ہونا چاہیئے اور ہے جیسا کہ تجربہ اور بالا میں پیش کردہ امثلہ سے آپ پر واضح ہوگیا۔ ہوگا۔ اسی سبب سے جب اس موثر اور کارگر آلہ "گریہ" کو غیر محل پر صرف کرکے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے جب بھی یہ بے سود نہیں ہوتا اور اپنا کام کرکے رہتا ہے۔

ممکن ہے کہ طول ہوجائے لیکن میں اپنے نظریہ کو واضح اور روشن کرنے کیلئے آپ کے چند تجربات کو پیش کرکے آپ کے تھوڑے سے عزیز وقت کو اور ضائع کرونگا۔

آپ کو اپنی روزانہ کی زندگی میں ضرور اس سے دوچار ہونا پڑا ہوگا کہ اگر آپ کا گذر کسی ایسے مکان کی طرف سے ہو جس میں صف ماتم بچھی ہو لوگ گریہ و زاری میں مشغول ہوں صدائے نالہ و شیون بلند ہو تو آپ کا دل بغیر کسی ذاتی تعلق کے ہمدرد بنکر تحقیق و تفتیش کی طرف مائل ہوگا اور آپ اگرچہ کسی ضروری امر سے کیوں نہ جا رہے ہوں اپنے کو فطرتاً اسیر مجبور پائینگے کہ آپ اسکو جان لیں کہ ان لوگوں پر کونسی مصیبت پڑی ہے انکو کیا رنج و الم ہوا ہے یہ کس بلا میں مبتلا ہوئے ہیں جس سے انپر گریہ و زاری طاری ہے۔ برخلاف اسکے اگر آپ کسی ایسے گھر کی طرف سے گذریں جس میں شادیانہ بج رہے ہوں محفل رقص و سرود آراستہ ہو چراغاں کی وجہ سے وہ گھر بقعہ نور بنا ہوا ہو تو آپ کے دل میں کبھی اس جستجو کی فکر نہو گی جو صف ماتم بچھے ہوئے ہونے کی صورت میں ہوتی بلکہ آپ یہ سمجھ لیں گے کہ اس گھر میں کوئی

شادی رچی ہوئی ہے اور اسی بات کے قیاس سے معلوم کر لینے کے سبب آپ کے دل کو تسکین ہو جائیگی۔ اسی طرح اگر آپ راہ میں کسی ایسے شخص سے متعارف ہوں جو رو رہا ہو تو آپ کے دل میں ضرور یہ خلش پیدا ہوگی کہ آپ اس شخص کے حالات معلوم کریں کہ اس پر کونسی مصیبت نازل ہوئی ہے حالانکہ اگر آپ کسی ایسے شخص کو دیکھیں جس کے چہرہ یا حرکات سے انبساط سرور و خوشی کا اظہار ہو رہا ہو تو آپ بے اعتنائی کے ساتھ اس کے پاس سے گزر جائینگے۔ وقس علیٰ ھذا

امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں اپنی عدیم النظیر قربانی پیش کی جس کا اعتراف و احترام تمام اقوام عالم نے طوعاً و کرہاً کیا۔ کیونکہ آپ نے اصحاب و اولاد کا قتل ہونا گوارہ کیا آل تطہیر کا کوفہ و شام میں سر برہنہ ہونا برداشت کیا خود تین دن کے تشنہ شہید ہوئے مگر یہ پسند نہ فرمایا کہ یزید کے ایسے فاسق و فاجر شراب خوار کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنے جد محترم جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی برسہا برس کی جد و جہد کوشش و سعی اور عرقریزی سے سیراب کئے ہوئے پودے خدا کے محبوب ترین دین اسلام کو مٹ جانے دیں یہاں پر مجھکو معین الدین چشتی کی رباعی یاد آرہی ہے جو اگرچہ فارسی میں ہے مگر یاد رکھنے کے قابل ہے وہ کہتا ہے۔

شاہ است حسین بادشاہ است حسین ۔ دین است حسین دین پناہ است حسین
سر داد و نداد دست در دست یزید ۔ حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

اب آپ ہی انصاف سے فرمائیں کہ امام حسین علیہ السلام کے ہس عظیم الشان واقعہ کربلا کے بعد جب بنی ہاشم اور محبان اہلبیت کا انحصار چند افراد میں رہ گیا اور الناس علیٰ دین ملوکھم اور دینھم دنانیرھم کے مصداق لوگ اس عظیم الشان واقعہ اور بے مثال قربانی کو استخفاف کی نظر سے دیکھنے لگے بلکہ اگر یہ کہوں تو غلط نہوگا کہ بہت سے لوگوں کو اس واقعہ کا علم ہی نہ تھا کیونکہ جب میں آپ سے یہ بیان کروں تو شائد آپ تعجب کی نظروں سے دیکھیں گے کہ تاریخوں کی ورق گردانی سے یہ امر بھی ثابت ہوتا ہے کہ لشکر یزیدی کے بہت سے افراد کو کربلا پہونچکر جنگ کے پہلے اور جنگ کے بعد بھی یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ کس سے محاذ جنگ قائم کرنے آئے ہیں اور وہ سبط رسول الثقلین امام حسین علیہ السلام سے لڑ رہے ہیں یا وہ آل تطہیر کے بے نظیر افراد کا خاتمہ کر کے انکے گھر بار اور مال و اسباب لوٹ کر انکے خیموں میں آگ لگا کر انکی مخدرات عصمت کو اسیر کر کے واپس ہو رہے ہیں تو ایسی حالت میں خصوصاً جبکہ امام حسین علیہ السلام کی جنگ العیاذ باللہ دنیا کیلئے نہ تھی بلکہ دین اسلام کو زندہ رکھنے کیلئے تھی

ان چند لکھیوں پر

شمار کر لینے والے افراد کے لئے کیا چارۂ کار ہو سکتا تھا کہ وہ اس عظیم الشان واقعہ کو اپنے زمانہ میں اور اپنے بعد ہمیشہ ہمیش کے لئے اقطاع و اقطار عالم کے مشرق و مغرب میں چاروں طرف نشر کر سکیں حالانکہ نہ اس زمانہ میں ریڈیو تھا نہ تار نہ جرائد و اخبار تھے نہ رسالے نہ مطبع تھا نہ پریس نہ کوئی اور دوسرا آلۂ نشر و اشاعت تو وہ اس عظیم الشان واقعہ کو نشر کرتے تو کیسے؟ آپ کو اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ سیاسی حیثیت سے انکے لئے اس سے بہتر کوئی اور آلۂ کار نہ تھا کہ مقتضائے فطرت کے موافق صف ماتم بچھائیں اور اس میں تذکرہ واقعہ کربلا کریں کیونکہ صف ماتم بچھے ہوئے ہونے کی حالت میں ہر شخص کو اسکی فطرت اسپر مجبور کریگی کہ وہ واقعہ کی تفتیش کرے اور اسی میں اس کامیابی کا راز پوشیدہ تھا کہ لوگوں کے دل پر واقعہ کربلا نقش ہو جائے اور یزید پلید کے ظلم و استبداد و فسق و فجور اور اسلام پرستی کی حقیقت کھل جائے اور حقیقی اسلام اور اسکے پرستاروں کے جوہر اور اصل اسلام کے سچے اور ہمیشہ رہنے والے اصول و قوانین دنیا و عالم کے پیش نظر ہو جائیں اور ایسا ہی ہوا بھی اور انشاء اللہ ہوتا رہیگا پھر جبکہ کامیابی کا نام لوگوں کے نزدیک سیاست ہے تو سبکو یہ تسلیم کر لینا پڑیگا کہ اس تمام کامیابیوں کی واحد وجہ یہی گریہ و زاری تھی ورنہ یہ واقعہ ابتک شاید ناہنجم دنیا بھلا دیتی یا کم از کم اسکو بھی استخفاف کی نظر سے دیکھنے لگتی لہذا اگر یہ ایک بہترین سیاسی چیز تھی جسکے استعمال سے اسکے مستعملین ابتک کامیاب ہوتے رہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی کامیاب ہوتے رہینگے۔

بہت ممکن ہے کہ یہاں نافہم اعتراض کرنے والے یہ اعتراض کریں کہ اچھا ہمنے اسکو تو تسلیم کر لیا کہ گریہ ایک بہترین سیاسی حربہ تھا جسکے استعمال سے کامیابی بھی ہمیشہ دست بوس رہی لیکن اسکو اسی وقت تک استعمال کرنا درست رہ سکتا ہے جبتک کوئی اور آلہ مثل ریڈیو جرائد و اخبار وغیرہ کے نہ تھا یا جبتک کہ یہ واقعہ تمام اکناف و اطراف عالم میں نشر نہیں ہوا تھا لیکن اب اسکا استعمال بے محل ہے۔

میں ایسے معترضین سے عرض کرونگا کہ آپ انصاف سے ارشاد فرمائیں کہ مطبعوں نے ابتک کسقدر بے شمار تاریخیں شائع کیں تو کیا وہ سب آپ کے دلپذیر نقش ہیں اخباروں میں کتنی خبریں اور مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں تو کیا وہ سب آپ کے دلپذیر نقش ہیں ریڈیو سے آئے دن کتنے مقالہ نشر ہوتے رہتے ہیں تو کیا وہ سب آپ کے دل پر پتھر کی لکیر ہیں نہیں ہرگز نہیں بلکہ آپ کتابیں دیکھتے ہیں اور پھر بھول جاتے ہیں مقالہ سنتے ہیں اور انکو فراموش کر دیتے ہیں اس سے بڑھکر یہ ہے کہ ہر مسلمان سن رشد کو پہونچنے کی نوبت

سے اپنی آخر عمر تک ایک رسول مقبول ہی کو لے لیجیے اُنکے واقعات، کتنی مرتبہ میلاد پڑھنے والوں اور واعظین سے سُنتا ہے اور اگر پڑھا لکھا ہے تو کتابوں میں پڑھتا ہے لیکن باوجود اسکے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اگر اُس سے کہا جائے کہ ذرا سیرت نبی تو بیان کرو تو آپ اُسکو دیکھیں گے کہ وہ کبھی بھی پوری سوانح حیات نہیں بیان کر سکے گا برخلاف اسکے اگر آپ واقعۂ کربلا کو دیکھیں تو ایک مسلمان تو مسلمان ہر مذہب کے اکثر و بیشتر افراد اس سے واقف ہیں اور وہ بلا بغل جھانکے ہوئے اکثر واقعات کربلا خصوصاً اُسکے ماحصل کو بیان کر دینگے۔ یہ کیوں محض اسلئے کہ حسین مظلوم کی صف ماتم جب سال بھر میں تقریباً ڈھائی مہینہ برپا رہتی ہے تو ہر متنفس جستجو کرتا ہے اور اگر وہ مجلس میں نہیں شریک ہوتا تو کم از کم شریک ہونے والوں ہی سے حالات معلوم کر لیتا ہے جسکے بعد اگر وہ اپنے دل سے اُسے بھلا دینے کی کوشش بھی کرے تو نہیں بھُلا سکتا۔

بلکہ یہ کہنا بھی بالکل درست و صحیح ہے کہ اسلام کے جتنے واقعہ نشر ہوتے ہیں وہ سب مجلسوں ہی کے سبب سے اب رہا یہ سوال کہ جب یہ واقعہ چاروں طرف نشر ہو چکا تو پھر اب بیکار ہے۔

اسکا جواب بھی واضح ہے کہ یہ بالکل صحیح ہے کہ یہ واقعہ جب سے وقوع میں آیا اسوقت سے ابتک تمام لوگوں میں نشر ہو چکا اور سب ہی جان گئے ہیں۔ لیکن بندہ یہ دراپنی آیندہ نسلوں میں اس یادگار کے قائم رکھنے کیلئے یہی واحد ذریعہ ہے کیونکہ انکو بھی محض کتابوں کا دیکھ لینا جسطرح آپ کیلئے ناکافی تھا اُسکے لئے بھی ناکافی ہے لہذا اُن کے دلوں پر بھی نقش رہنے کے لئے آپکو اگر کامیابی ہو سکتی ہے تو محض اسی صورت سے کہ صف ماتم بچھتی رہے اور لوگ حسین مظلوم علیہ السلام پہ گریہ کرتے رہیں۔

میں نے ابتک جو کچھ عرض کیا اسکا منشا ہرگز یہ نہیں ہے کہ گریہ ایک مذہبی چیز نہیں ہے میں اس کا بحمد اللہ معتقد ہوں کہ جب حسینؑ پر رسول اللہ نے گریہ فرمایا ائمہؑ نے گریہ فرمایا اور گریہ کا حکم دیا تو یہ بالکل ایک مذہبی حیثیت سے ہے لیکن وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ جب اسلام کا ہر قانون تمدنی و سیاسی حیثیت لئے ہوئے ہو جب ہی قابل تسلیم ہو سکتا ہے انکی تشفی و تسلی اور اس موضوع کے سپرد ہونے کی حیثیت سے میں نے یہ سب عرض کیا۔

خامسِ آلِ عبا

(نوشتہ عالیجناب حکیم سید حیدر نواب صاحب زیدی خلف جناب حکیم محمد سید نواب صاحب مرحوم پاٹانالہ لکھنؤ)

اے حسینؑ ابن علی اے یادگار پنجتن
اے میرے مظلوم مولا اے شہید بے وطن

اے حبیب کبریا کے جان و دل اے مہ جبین
اے علی کے یار کا دل فاطمہ کے نازنین

اے حسن کے قوت بازو امام ابن امام
ہر ولا واجب تری ہے فرض تیرا احترام

تو نے بتلائے جہاں میں معنی ذبح عظیم
پائے گا جو پائے گا تجھ سے رہ مستقیم

باعث فخر خلیل اللہ تیری ذات ہے
قابل رشک کلیم اللہ تیری ذات ہے

نور سے تیرے ہی آدم کی جبیں پر نور تھی
ہر نبی کے دل میں تیری ہی ولا مستور تھی

تیرے ہی صدقہ میں عیسیٰ ہوگئے معجز نما
جی اُٹھا مردہ زباں سے نام جب تیرا لیا

تیرے ہی باعث سے موسیٰ کو ید بیضا ملا
اک ترا نقش کف پا تھا انھیں ہاتھ آگیا

موم لوہے کو کیا داؤد پیغمبر نے اگر
میرے مولا تھا یہ تیرے اسم عالی کا اثر

اے میرے معصوم مولا اے میرے برحق امام
تیری دشمن ہوگئی تھی امت خیر الانام

بدر کے کینے نکالے ظالموں نے تجھ سے آہ
چین دم بھر کیلئے لینے دیا تجھکو نہ واہ

کیا یہی اجر رسالت اور صلہ تھا جو دیا
کیوں مسلماں تو بتا دو کیا یہی اسلام تھا

اے علی کے لعل پہلے خط پہ خط لکھے تجھے
تجھ سے خواہشمند خود اصلاح امت کے ہوئے

آگیا جب کربلا میں لیکے تو اہل حرم
امت جد نے تری تجھ پہ کئے جور و ستم

دوپہر میں ہوگیا برباد تیرا خاندان
بھائی بیٹے بھانجے سب نے فدا کی اپنی جان

تین دن کی پیاس میں کاٹا گیا تیرا گلا
کند خنجر حلق وہ سوکھا ہوا مولا تیرا

زلزلہ آیا زمیں کو آگئی کالی آندھیاں
آسماں سے خون برسا آئی آواز فغاں

قبر سے نکلے علیؑ و فاطمہ روتے ہوئے
آئے مقتل میں نبی اُسکو نہ دیکھے

قتل فرزند نبی سے خلد میں تھا شور و شین
ہر طرف سے آتی تھی حیدر صدائے یا حسین

شہادت حسینؑ سے فیض اٹھائیے

(نوشتہ جناب بیاباں آیا بہلا مدظلہ ازبارہ بنکی)

کائنات کے تاجدار نے حق کی حفاظت اور اسلام کی بقا کے لئے مکہ و مدینہ ویران کر کے جنگل بسایا اور گھر بار لٹا کر عموماً دنیا کے لئے خصوصاً شیعوں کے لئے روحانی غذا بہم پہنچائی۔ روحانی ترقی کا بندوبست کیا لیکن ہمیں قدر کرنا نہ آیا۔ افسوس! نہ ہم خود اس نعمت عظمیٰ سے فیض اٹھاتے ہیں۔ نہ دوسروں کو فیض پہنچاتے ہیں ہمارا فرض تھا کہ ہم نہایت غم والم کے ساتھ اس بے مثل قربانی کی یاد کو ہر سال تازہ کرتے اور ان مدعیان ظلم و استبداد کے تاریک ضمیر کی بیداریوں سے دنیا کو واقف کار بناتے جنھوں نے اپنی حرص اور دنیا پرست طبیعت کے غلام بنکر وہ عمل آپ کی ذات کے ساتھ سنہ ۶۱ھ میں کر ڈالے جو ایک انسان حیوان کے ساتھ نہیں کر سکتا آہ! اس ننھے سے معصوم جان کا پانی کے سوال پر تیر سہ شعبہ سے حرملہ بن کاہل اسدی کا ہلاک کر دینا جس سے خلق خدا چیخ اٹھی نہ معلوم آدم کے کس صحیفہ میں مسطور تھا۔

لیکن ہم ہیں کہ مادیت کی مسموم ہواؤں کے جھونکوں میں پڑکر اپنا طریق عمل ایسا بنانا پسند کرتے ہیں کہ نہ حق حق رہے اور نہ باطل باطل کہا جائے جو حسینی لائحہ عمل کے خلاف ہے اور آپ کے کارنامہ پر ایسی ضرب کاری ہے کہ اس کے وار کا متحمل نہ رسول کا دل ہو سکتا ہے نہ فاطمہؑ کا قلب اور نہ علی کا جگر کیونکہ وہاں حق حق ہے ان کے نزدیک مذہب مفروضات اور روایات کا مجموعہ نہیں ہے جو وہ مذہب کی آڑ میں شکار کھیلنا پسند کرتے ہیں نہ ایسی آزاد خیالی کو دوست رکھتے ہیں کہ حق گوئی کے معاملہ میں گندم نما جو فروشی برتی جائے بلکہ وہ تو چاہتے ہیں کہ متمسکان دامن رسول و اہلبیت رسول کا عمل ایسا ہو کہ جو ضرب باطل پر لگائیں اس کی ہر چوٹ ایسی ہو کہ بطالت کو مغلوب کر دے اور کسی صورت میں باطل پرست۔ ظالم، دغاباز اور مکار کو شکست نہ دے بلکہ ان کے مادیت پر مبنی عقائد کو جو مذہبیت کے جانی دشمن ہیں پاش پاش کر دے جب خیال سے حسینیت۔ یزیدیت کے سامنے آگئی اور اس نے یزیدی کفریت کو مٹا دیا۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ زمانہ کی فضا کو دیکھتے ہوئے ہمیں اس طریق پر رہنا چاہئے جو بنی امیہ و بنی عباس کے زمانہ میں تھا۔ رواداری۔ ساوات۔ اتحاد چاہئے تبلیغ کے لیے ایسے موقع فراہم کرنے چاہییں کہ عوام ان جور و استبداد کی داستانوں کو سنیں جو رسول کے کلمہ گویوں کے ہاتھ سے رسول کی اولاد و احباب پر واقع ہوئے ہیں اور ان کے صبر و شجاعت کا بے مثل مظاہرہ دیکھ کر معلوم کریں کہ وہ مجسمہ نور تھے روحانی تعلیم سے ان کے سینے پرنور تھے وہ قابل اس کے ہیں کہ ان کی تاسی کی جائے معصوم و بے گناہ مانے جائیں۔ پیغمبروں کے حقیقی جانشین سمجھے جائیں لیکن رواداری کے یہ معنی تو ہرگز نہیں ہیں کہ ان کے دشمنوں کو دوست سمجھ لیا جائے ان کی منقصت کرنے والوں کو اپنے پہلوؤں میں جگہ دیجائے۔ اعلانیہ علی الاعلان برا کہنے والوں کو سر پر بٹھایا جائے اور ان مظالم کو جو پیشتر ہو چکے ہیں یا ان کے تابعین کے ہاتھوں آج ہو رہے ہیں صرف مادی مطلب برابری کے لئے بھلا کر جس کا نتیجہ یہ نکلے کہ لوگ رفتہ رفتہ قل لا اسئلکم علیہ

اجرا الا المودة فی القربیٰ

کے مفہوم ہی سے دور ہٹ جائیں۔

الحسن والحسین سید شباب اہل الجنۃ

کے معنی کو مادیت کا جامہ پہنایا جانے لگیں۔

"حسین منی وانا من الحسین"

پر پردہ ڈالا جانے لگے اور انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی واہلبیتی

کے معنی بدلے جانے لگیں تو جو کچھ بنی امیہ و عباس کے دور میں غصب ہوا اب ہو کر رہ جائے گا۔

غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ اگر زمانہ کی فضا۔ افتاد اور سیاسی ضرورتیں حق و ضمیر کا خون کر سکتی تھیں تو کوئی ضرورت نہ تھی کہ ہمارے آقا و مظلوم شہید نینوا صرف ایک الفاظ اس کہہ کر ان تمام مصائب و آلام کا خاتمہ نہ کر دیتے جو سنہ ۶۱ھ میں آپ پر گذرے اور ہمیں یہ سبق نہ دیجاتے کہ جب سیاسی مجبوریاں حائل ہوں اکثریت اقلیت کو دبانے لگے۔ مادیت کا غلبہ ہو۔ زمانہ کی رفتار و فضا نامساعدت کرے تو تم تنگ خیال بن جانا۔ خود غرضی کی اطاعت کر لینا اور مذہبی و دینی دشمنوں کو دوست بنا لینا لیکن انھوں نے ایسا تو نہیں کیا۔

لہذا آپ آپس کے مناقشات کو چھوڑ کر رسوم (۰۰) ادا (۰۰) میں ترمیم کیجئے۔ ذاکری کی اصلاح فرمائیے۔ لائق مدح و تحسین صحابہ کرام کی مدح سننے و دوستداران علی و محبان اہلبیت سے دل کھول کر ملئے۔ ہمسایہ قوموں کے حقوق ادا کیجئے۔ کسی کے مذہبی پیشواؤں کو برا نہ کہئے۔ بجائے امام باڑوں اور مسجدوں کے ہر مقام پر حسینی تاریخ کو دہرائیے دنیا کے سامنے حقیقی اسلام کا نقشہ پیش کیجئے مگر اس آزاد خیالی کو للہ چھوڑ دیجئے کہ حق و باطل کے بین بین رہا جائے۔ نہ حق کو حق کہا جائے نہ

سلام

(رشحہ قلم جناب فخر من مناعرت سگن صاحب فیض خان بنارس)

سلامی حضرت شبیرؑ کے جو رونے والے ہیں / وہ کہتے ہیں ہمارے پاس جنت کے قبالے ہیں
الگ شان ہے سب سے عالم ہی نرالے ہیں / شبیہ مصطفےٰ انیس ثانی زہرا کے پالے ہیں
حرم عونؑ و محمدؑ کی ثنا اصلاح کرتے تھے / خدا رکھے ابھی سے انکے تیور ہی نرالے ہیں
جھکا کر کہا سے عباسؑ نے یہ شمر سے پوچھا / جو دریا کے محافظ تھے کہاں ہیں وہ رسالے تھا
مجبور مرغم میں آکے یہ فرماتی ہیں زہراؑ / خدا زندہ رکھے شبیرؑ کے یہ رونے والے ہیں
حرم کے باب میں شبیرؑ نے زینبؑ سے فرمایا / خدا کے تم حوالے اور ہمارے یہ حوالے ہیں
سنا دی اک ندا دیتا تھا یہ بازار کوفہ میں / تماشا دیکھ لو آکر یہ سب تطہیر والے ہیں
یہ حالت ہے امام وقت کی اعدا کے ہاتھوں سے / گلے میں طوق۔ بیڑی پاؤں میں تلوؤں میں چھالے ہیں
فضا نہ مرکا آئینہ ہے اخلاق حسینی کا / یہ عفو کرنیوالے ہیں کہ بدلا لینے والے ہیں
علی اصغرؑ کی خاموشی لب اتنا ہی بتاتی ہے / کبھی منھ سے کچھ کہتے نہیں جو کرنیوالے ہیں
کہا قاسمؑ نے ازرق سے یہ ثابت قدم تم ہو / تمہارے سر کے ٹکڑے اپنے دیکھے بھالے ہیں
کسا کا واقعہ تو صاف بتلاتا ہے یہ ضابطہ
علیؑ و فاطمہؑ حسنینؑ و احمدؐ کملی والے ہیں

باطل کو باطل کیوں کہ اس میں خود غرضی و حرص کی بو آتی ہے اور یہ وہ ناہنجار مرض ہے کہ اسی کے مرضار نے اپنے سیاہی آلود ہاتھوں سے سس کر کے مذہب کو درخشاں نہ رہنے دیا بلکہ ایسا تاریک کر دیا کہ جب تاجدار اسلام کی ذریت بعد واقعہ کربلا گرفتار کر کے برہنہ سر کوفہ اور دمشق لائی گئی اور گلی گلی یہ زا پہنچا دی گئی کہ کچھ اسیر گرفتار ہو کے آئے ہیں اہل کوفہ و دمشق ان کا تماشہ دیکھیں تو واللہ کوفہ و دمشق کے بالاخانوں سے خرمے و روٹیاں وجہ مستورائیں اپنے بچوں پر سے تصدق کر کے اسیران اہلبیت کے بچوں کی طرف پھینکتی تھیں اور یہ بچے اس قدر گرسنہ و تشنہ تھے کہ اکثر بچے اسے اٹھا کر منہ میں رکھنا چاہتے تھے اس وقت جناب زینب علیا مقام و جناب حضرت کلثوم بچوں سے چھین کر آواز بلند گویا ہوتی تھیں کہ اے کوفیوں اور اے دمشقیوں یہ کیا غضب کرتے ہو تم نہیں جانتے کہ ہم اہلبیت رسول ہیں اور ہم پر صدقہ حرام ہے۔ کہاں ہیں دنیا کے مسلمان جو رواداری و مساوات کا سبق پڑھاتے ہیں۔ آئیں اور ہمارے ساتھ ان کلمہ گویوں سے بیزاری کا ثبوت دینے کے لئے دنیا کے سامنے اس منظر کو پیش کریں یا یزید بد نہاد کے دربار میں سات سو کرسی نشینوں کے سامنے اہلبیت رسول کا بے مقنع و چادر کھڑا ہونا۔ امام زین العابدینؑ کا طوق و سلاسل میں جکڑا جانا دکھلا کر ان مسلمانوں سے نفرت کا ووٹ پاس کریں ہم رواداری و مساوات کے لئے آگے بڑھتے ہیں۔ ورنہ ہم وہ ہیں کہ ہم میں کی ایک ایک عورت اس زمانہ میں قبر حسینؑ کی زیارت کرنے کے لئے آئی۔ جب کہ متوکل عباسی نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ کوئی شخص قبر حسین کی زیارت کو نہ آئے اثنائے سفر میں رات ہو گئی۔ پہرہ داروں نے روکا۔ پوچھا تم کون ہو؟ اور کہاں جا رہی ہو۔ ناصرہ نے جواب دیا میں خاندان سادات سے ہوں اطراف موصل کی رہنے والی ہوں زیارت قبر حسینؑ کو جا رہی ہوں۔ میرے ساتھ میرا بچہ ضیا ہے۔

سپاہیوں نے گرفتار کر کے متوکل کے سامنے پیش کیا متوکل نے پوچھا۔ تم کون ہو جواب دیا کہ ہم زیارت قبر حسین علیہ السلام کو جا رہے ہیں۔

متوکل۔ زیارت قبر حسین سے کیا ہوگا؟

ناصرہ۔ زیارت قبر حسین سے معرفت خدا و رسول حاصل کرونگی۔

متوکل۔ حسین اس قابل کہاں تھے؟ جو ان کی قبر کی زیارت سے معرفت خدا و رسول حاصل ہو سکے۔

ناصرہ کو جوش آگیا۔ عبا کے نیچے سے ایک چمکتا ہوا خنجر نکالا اور کہا۔

"او متوکل اگر حسین سے معرفت خدا و رسول حاصل نہ ہو گی تو تجھ جیسے فاسق فاجر سے ہوگی؟"

یہ کہکر فوراً متوکل پر حملہ کر دیا سپاہیوں نے ناصرہ کو پکڑ لیا۔ متوکل نے کہا اچھا اس کے پیارے ضیا کو اس کی گود میں لٹا کر ذبح کر دیا جائے۔ ناصرہ نے یہ سن کر جواب دیا۔

"او متوکل اگر تیرا خیال ہے کہ میں اپنے بیٹے کی محبت میں سرشار ہو کر زیارت قبر حسین سے باز آجاؤنگی تو میں اپنے اس چشم و چراغ کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر دیتی ہوں لیکن زیارت قبر حسین سے ہرگز ہرگز باز نہیں آسکتی۔ چنانچہ ضیا کو ناصرہ کی آغوش میں لٹا کر ذبح کر دیا گیا۔ ماں کی گود بچے کے گرم گرم خون سے بھر گئی ناصرہ نے کٹا ہوا سر اٹھایا اور جنگل و بیابان کو طے کرتی ہوئی ایک مٹی کے ڈھیر پر پہنچی جہاں ایک مختصر سا مجمع محو گریہ و زاری تھا۔ ناصرہ نے بآواز بلند کہا لوگوں راستہ چھوڑ دو میں اپنے مولا و آقا کے لئے ایک ننھا ہدیہ لے کر حاضر ہوئی ہوں لوگوں نے راستہ چھوڑ دیا۔ سربریدہ سے السلام علیک یا ابن رسول اللہ کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ ناصرہ نے کہا مولا حسینؑ! نادار ہوں۔ غریب ہوں کچھ دولت و ثروت پاس نہیں رکھتی۔ اکبر و اصغر کا واسطہ مجھ بے بضاعت کے ناچیز ہدیہ کو قبول فرمائے۔ قبر کانپ گئی۔ ایک نور سا طالع ہوا۔ ندا آئی ناصرہ تیری زیارت قبول ہے دیکھ تیرا پیارا ضیا میری گود میں ہے۔"

غرض جذبہ محبت حسینؑ میں وہ عملی کارنامہ دنیا کے سامنے پیش کر کے چلی گئی جو آج تک جوش عمل کے لئے ہمارے بچوں۔ بوڑھوں۔ جوانوں۔ عورتوں اور مردوں کو سبق دے رہا ہے۔ ہم میدان عمل میں کود سکتے ہیں۔ عزت کی موت کے سامنے ذلت کی زندگی پر ایک بار نہیں ستر بار نفرین کرتے ہیں۔ لیکن جذبۂ انتقام کے ساتھ نہیں۔ حق و صداقت کے راستے سے گمراہ ہو کر نہیں۔ دفاعی حیثیت میں۔ بقائے وقار مذہبی کی صورت میں کیونکہ حسینی شہادت نے ہمیں یہی سبق دیا ہے۔ رہنمایان دین نے بھی پڑھایا ہے۔ افسوس! ہمارا اختلاف ہمیں خود پنپنے نہیں دیتا ہماری باہمی نزاع ہمیں سر اٹھانے نہیں دیتی حالانکہ یہ دو حالی نہیں ہے اس اختلاف کی تہ میں اتفاق پنہاں ہے محبت نہاں ہے کسی مفید و صحیح نتیجہ کی تلاش میں یہ نزاعی چپقلش جاری ہے مگر اس سے ارباب فکر و نظر کے قوائے دماغیہ میں انتشار ہے۔ قوت ذہنیہ فلاح و بہبود قوم ملت میں صرف نہیں ہو رہی ہے ورنہ ہم اپنی پیغمبر کا نمونہ دنیا میں پیش کر دیتے اور تمامی عالم کے سامنے اپنے رہنمایان ملت کے محاسن اخلاق و محامد اوصاف کو رکھ کر پوچھتے کہ دنیا میں کوئی دوسری شخصیت بھی ایسی ہمہ صفت موصوف ہو تو پیش کرو جو پیش خدا و رسول ایسی معزز و ممتاز رہی ہو۔

کاش اب بھی ارباب ملت و مدبران قوم حسین علیہ السلام کے صدقہ و واسطے میں اس طرف مائل ہوتے تو ابھی کچھ زیادہ کھونے کی نوبت نہیں آئی تھی وہی وقار قائم ہو سکتا ہے اور وہی عزت مل سکتی ہے جس کے سامنے بڑی بڑی طاغوتی قوتیں پست ہو گئیں۔ ظالم و سرکش حکومتیں مٹ گئیں۔ جور و استبداد کی زنجیریں ٹوٹ گئیں۔

قوم سے دردمندانہ اپیل

(از خامۂ عالیجناب سید محمد ابوالقاسم علی نقوی امروہوی ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی پروفیسر گورنمنٹ جوبلی انٹرمیڈیٹ کالج لکھنؤ)

خداوند عالم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ سال گذشتہ کے "اسد محرم نمبر" میں احقر نے قوم سے جو اپیل کی تھی وہ صدا بصحرا ثابت نہیں ہوئی۔ اور اخبار "اسد" بجائے ہفتہ وار ہونے کے اب "روزانہ" ہوگیا اور قوم و ملک کی خدمت بطریق احسن کر رہا ہے جس کے لئے میں قوم کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں نیز محترم مدیر "اسد" کو انکی جانتوڑ کوششوں اور استقلال کی داد دیتا ہوں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی گذارش ہے کہ "اسد" کو روزانہ دیکھکر ہمیں یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہم اپنے فرائض سے سبکدوش ہوگئے۔ اور اب ہم کو اس سلسلہ میں کچھ کرنا نہیں ہے۔ بلکہ معاملہ اس کے برعکس نظر آتا ہے یعنی یہ کہ جہاں "اسد" روزانہ ہوگیا وہاں اس کے اخراجات کس قدر بڑھ گئے۔ حالانکہ آمدنی کی حالت شاید پہلے سے کچھ بدتر ہوگئی۔ پہلے صرف ہفتہ میں ایک بار شایع ہوتا تھا۔ اب یومیہ شایع ہوتا ہے۔ ایک طرف تو مدیر "اسد" کی ذمہ داریاں ہفت گنی ہوگئیں۔ دوسرے خرچ بھی ہفت گنا بڑھ گیا یہ خیال کہ چندہ سالانہ کی مقدار بھی تو پہلے سے بڑھ گئی صرف اسیوقت صحیح اور قابل قبول ہوسکتا ہے جبکہ چندہ دہندگان اپنی دریادلی سے پیشگی یا کم ازکم وقت پر چندہ ادا کریں یا حد سے حد یہ کہ کچھ تاخیر سے ہی بیباق کر دیں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ واقعات اس کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ ہر اخبار میں بقایا داروں سے پرزور اور لجاجت کے ساتھ اپیل شایع ہو رہی ہے کہ للہ اپنے ذمہ کی بقایا جلد روانہ کیجئے۔ ورنہ محرم نمبر کا شایع ہونا بیحد مشکل ہے۔ ان اپیلوں سے پتہ چلتا ہے کہ اخبار کی مالی حالت بہت غیر اطمینانی ہے۔ جس کے براہ راست ذمہ دار چندہ دہندگان ہیں۔

لہذا میں پھر ایک بار قوم سے اپیل کرونگا کہ خدارا اپنے اس قومی آرگن کی طرف جلد متوجہ ہوں تاکہ ...

اطمینان و سکون قلب ...

رہیں۔

مجھے امید ہے کہ قوم ...

منازل ترقی جلد اور ...

مقامی و صوبہ

روزنامۂ اسد کا محرم نمبر

اخبار اسد کے روزانہ ہوجانے کے بعد خیال بھی نہیں گذرتا تھا کہ ہم روزانہ کی مصروفیتوں کے ساتھ کوئی خاص نمبر بھی نکال سکیں گے۔ لیکن خدائے قادر و توانا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ روزانہ اخبار کی مصروفیت کے باوجود بھی ہم اخبار اسد کے محرم نمبر کو اس شان و اہتمام سے پیش کر رہے ہیں۔ ناشکرگذاری ہوگی اگر اس موقع پر ان معاونین قلمی کا شکریہ نہ ادا کریں جنھوں نے ہماری توجہ دہانی سے اثر لیکر اپنی نظموں اور مضامین سے روزنامۂ اسد کے محرم نمبر کے دامن کو مالامال کیا۔

معاونین قلمی کے شکریہ کے ساتھ ہمیں اپنی اس کوتاہی کا اعتراف ہے کہ روزانہ اخبار کی مصروفیت کی وجہ سے ہم محرم نمبر کو اس شان و اہتمام سے جیسا کہ ہمارا دل چاہتا تھا پیش نہ کر سکے۔ انشاءاللہ اگر زندگی باقی ہے تو اس کی تلافی سال آیندہ کی جائے گی۔

وہ حضرات جن کے مضامین بہ دیر موصول ہوئے یا درج اخبار نہ ہوسکے ہم کو معاف فرمائیں اگر موقع ملا تو ان مضامین کے لئے روزنامۂ اسد کی معمولی اشاعتوں میں موقع نکالا جائیگا اور ہمارے ان معاونین قلمی کی محنت رائگان نہ جائے گی۔

اعلان تعطیل

آج ۷ر محرم کو محرم نمبر شایع کر دینے کے بعد دفتر "اسد" ۱۲ر محرم تک بند رہے گا اور روزانہ پرچوں کی اشاعت نہ ہوگی لیکن اگر کوئی خاص قومی ضرورت داعی ہوئی تو اس اثنا میں کوئی خاص ضمیمہ یا ضمیمہ جات ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی
[illegible]

صفحہ تصاویر

امکی سال محرم عزا میں ہم نے خاص اہتمام سے لکھنؤ کی بعض مشہور درگاہوں اور کربلاؤں کے مرقع شایع کئے ہیں جو اس کے قبل شایع نہیں ہوئے تھے مثلاً درگاہ حضرت عباس درگاہ نجف جنت البقیع ۔ درگاہ رتالکٹورہ ۔ کربلائے دیانت الدولہ کاظمین مبارک لکھنؤ ۔ کربلائے امین الدولہ بہادر وغیرہ کی مرقعے ۔ یہ درگاہیں اور کربلائیں لکھنؤ کی بہت قدیم اور مقبول کربلائیں اور درگاہیں ہیں ۔ جو ہندوستان کی شیعی دنیا میں خاص عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں ۔ ان تصاویر کے علاوہ صفحہ تصاویر میں شاہی اوقاف حسین آباد و شاہ نجف کے بھی بہت سے مناظر دے گئے ہیں اور ان میں یہ خصوصیت خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ امسال کی یکم محرم کی ضریح مبارک حسین آباد و مجالس شاہ نجف بھی اس نمبر میں تصویریں درج کیگئی ہیں ۔

ان آثار کے علاوہ اسد کے محرم نمبر کو یہ بھی شرف حاصل ہوا ہے کہ وہ سرکار ناصر الملتہ مدظلہ کی اس تصویر کا بلاک شایع کر سکے جو بالکل تازہ ہے اور جو تصویر ابتک شایع نہیں ہوئی ہے ۔ ممدوح کی اس تصویر کے ساتھ ہم نے ڈاکٹر مہش پرشاد صاحب انچارج قیصر آباد ہسپتال چشم کا بھی فوٹو ۔ سلئے شایع کیا ہے کہ ممدوح نے نہایت کامیابی کے ساتھ سرکار ناصر الملتہ مدظلہ کی آنکھ کا اپریشن فرمایا اور وہ ممدوح سے ایسی قدر خلوص رکھتے ہیں کہ اپنی تمام مصروفیتوں کے باوجود بھی برابر سرکار ممدوح کی خبرگیری کیلئے لکھنؤ آتے رہتے ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب ممدوح کی خدمات کا اعتراف ہم پر فرض ہے لہذا ہم نے ڈاکٹر صاحب موصوف کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی تصویر کو بھی اس محرم نمبر میں جگہ دی ہے ۔

صفحہ تصاویر کے سلسلہ میں اتنا اور عرض کر دینا شاید بے محل نہ ہو کہ لکھنؤ کے شاہی اوقاف کی تصاویر تو شائع ہوتی رہیں ، لیکن ان شاہان اودھ کی تصاویر شائع نہیں ہوئی تھیں جو شاہی اوقاف کے ذریعہ سے آج تک حسینی مشن کی ترویج کا سبب ہو رہے ہیں لہذا ہم نے اس نمبر میں ان خلد آشیاں فرمانروایان اودھ کی بھی تصاویر شایع کی ہیں اور ان اوقاف کے ان منتظمین و متولیان ذیشان کی بھی جو حسینی مشن کی ترویج عزاداری میں نہایت انہماک سے [illegible] صفحات تصاویر پر اس سے زیادہ اور کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں [illegible]

فہرست رسائل امامیہ مشن رجسٹرڈ لکھنؤ

نمبر	نام رسالہ	قیمت	خرچ	نمبر	نام رسالہ	قیمت	خرچ	نمبر	نام رسالہ	قیمت	خرچ	نمبر	نام رسالہ	قیمت	خرچ
۱	قاتلان حسین کا مذہب	۴/	لـ/	۱۷	نوروز اور غدیر	لـ/	ـ/	۳۳	حقیقت بداء	۲/	ـ/	۴۹	کربلا کا مہا سمر ہندی	۲/	ـ/
۲	تحریف قرآن کی حقیقت	زیر اشاعت		۱۸	مجاہدہ کربلا	۲/	ـ/	۳۴	خطیب آل محمدؐ	۴/	لـ/	۵۰	حسین ان دی لائٹ آف کربلا انگریزی	۱/	ـ/
۳	مولود کعبہ ختم	لـ	ـ/	۱۹	کربلا کا ماتم بلیدان ہندی	ختم		۳۵	تدوین حدیث	لـ/	ـ/	۵۱	مشہد اعظم	لـ/	ـ/
۴	وجود حجت	۴/	لـ/	۲۰	دی مارٹیرڈم آف حسین انگریزی	۲/	ـ/	۳۶	مطلوب کعبہ	لـ/	ـ/	۵۲	لا تفسدوا فی الارض	۸/	لـ/
۵	اصول دین اور قرآن	۴/	لـ/	۲۱	اسوۂ حسینی	۱۲/	لـ/	۳۷	محاربۂ کربلا	۲/	ـ/	۵۳	نہج البلاغہ کا استناد	۴/	لـ/
۶	اتحاد الفریقین حصہ اول	۲/	لـ/	۲۲	جنگ صفین	۳/	ـ/	۳۸	اسلام کا پیغام اردو	۰/	ـ/	۵۴	خلافت و امامت حصہ چہارم	۳/	۱/
۷	حسین اور اسلام اردو	۱/	ـ/	۲۳	تذکرہ خلفائے شیعہ حصہ اول	۲/	لـ/	۳۹	دی میسج آف اسلام انگریزی	۰/	ـ/	۵۵	شہدائے کربلا حصہ دوم	۵/	لـ/
۸	" " " ہندی	ختم		۲۴	" حصہ دوم	۵/	لـ/	۴۰	اثبات عزاداری	۴/	لـ/	۵۶	ابو الائمہ کی تعلیمات	۴/	۱/
۹	" " " انگریزی	ختم		۲۵	مقصود کعبہ	لـ/	ـ/	۴۱	مسئلہ فدک	۵/	لـ/	۵۷	حسین کا پیغام عالم انسانیت کے نام	۱/	۰/
۱۰	متعہ اور اسلام	۹/	لـ/	۲۶	مذہب شیعہ حصہ دوم	۹/	لـ/	۴۲	تاجدار کعبہ اول	لـ/	ـ/	۵۸	اسلامی عقائد	۲/	ـ/
۱۱	امامت ائمہ اثنا عشر اور قرآن	۱/	ـ/	۲۷	مذہب اور سائنس	لـ/	ـ/	۴۳	خلافت و امامت حصہ اول	۵/	لـ/	۵۹	آثار باقیہ	۱/	۰/
۱۲	تجارت اور اسلام	ختم		۲۸	معرکۂ کربلا	ختم		۴۴	" حصہ دوم	۴/	لـ/	۶۰	صحیفۂ سجادیہ کی عظمت	۱/	ـ/
۱۳	اتحاد الفریقین حصہ دوم	"		۲۹	کربلا کا مہا یوہ	"		۴۵	" " سوم			۶۱	خلافت و امامت حصہ پنجم	۶/	لـ/
۱۴	علی اور کعبہ	لمر/	ـ/	۳۰	دی ٹریجڈی آف کربلا انگریزی	۲/	مر/	۴۶	تحقیق اذان	۱/	ـ/	۶۲	خدا کی معرفت	۸/	لـ/
۱۵	رجال بخاری حصہ اول	۲/	لـ/	۳۱	اسلام کی حکیمانہ زندگی	۹/	لـ/	۴۷	ذوالجناح	۰/	ـ/	۰	۰	۰	۰
۱۶	مذہب شیعہ حصہ اول	۵/	لـ/	۳۲	دور استبداد	۴/	لـ/	۴۸	شہدائے کربلا حصہ اول	۲/	لـ/	۰	۰	۰	۰

فہرست امامیہ مشن بک ایجنسی

نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	خرچ	نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	خرچ
۱	الشہید	۱۰/	ـ/	۷	گل عصمت	۱/	ـ/
۲	کائنات قبل از اسلام	۲/	ـ/	۸	رجال بخاری حصہ دوم	۶/	لـ/
۳	قاتلان حسین کی گرفتاری	۸/	۲/	۹	رسول کی بیٹی	۲/	ـ/
۴	مجمع دینیات	۵/	۲/	۱۰	تاریخ ازدواج	۸/	لـ/
۵	[illegible]	۴/	لـ/	۱۱	الہامی کلمات	۳/	لـ/
۶	[illegible]	[illegible]	لـ/	۱۲	شہید اسلام	۶/	۵/

سکریٹری امامیہ مشن رجسٹرڈ لکھنؤ



پرنس مرزا [illegible] مرزا [illegible] خلد آشیاں واجد علی [illegible] صدر [illegible]
[illegible]



اپنی صحت اور دولت کو عطائی جاہل خود غرض اشتہاری طبیبوں کے ہاتھوں برباد نہ کیجیے

ہر دوا شرو دوا ہین جو اطبا حذاق کی نگرانی مین سائنٹفک طریقہ پر تیار کیجاتی ہین

استعمال فرمائیے

مشہور عالم دواخانہ معدن الادویہ کے چند خصوصیات

(۱) فن دوا سازی کے تجربہ کار و ماہر تعلیم یافتہ بیش قرار تنخواہوں پر ملازم ہیں (۲) اطبا کرام کی نگرانی مین ہر دوا تیار ہوتی ہے (۳) جناب مسیح الملت شفاء الملک حکیم سید فضل علی صاحب قبلہ کی سرپرستی صرف اسی دواخانہ کو حاصل ہے اور آپ کے خاندانی مجربات صرف اسی دواخانہ مین تیار ہوتے ہین (۴) مجلس مشاورت طبی جس کے صدر جناب حکیم محمد قاسم صاحب مدظلہ العالی ہیں بیرونجات کے مریضوں کو ہر قسم کا طبی مشورہ مفت روانہ کرتی ہے (۵) ۴۴ سال سے انھین خصوصیات کے ساتھ دواخانہ معدن الادویہ ملک و فن کی خدمت انجام دے رہا ہے اور آج بھی اسی ہمت بلکہ اس سے بہتر تجربہ کے ساتھ خدمت کو موجود ہے

تجربہ فرمائیے — تجربہ فرمائیے — تجربہ فرمائیے

فہرست دواخانہ مفت طلب کیجئے	چند مجرب ادویہ	تار کا پتہ۔ دواخانہ لکھنؤ

اکسیر اعصاب

طاقت و توانی بخشنے مین لاجواب ہے۔ کلچی کاست فولاد و دیگر بیش بہا ادویات و مقوی لحوم کا جوہر ہے۔ خون صالح بافراط پیدا ہوتا ہے۔ رنگ رخسار کو سرخ و سپید کرتی ہے۔ جریان۔ سرعت۔ انزال عورتون کی سفید رطوبت کو دور کرتی ہے۔

قیمت فی شیشی ایک روپیہ چار آنہ عہ

شراب الصالحین رضوی

یہ وہ شراب ہے جسے زاہد حرم مین پئین

اس شراب کا نسخہ امام ثامن حضرت امام رضا علیہ السلام نے ہارون رشید کیلئے تجویز کیا تھا۔ طبیعت مین سرور، دل مین امنگ قلب و دماغ کو تفریح و طاقت بخشتی ہے۔ نقرس، درد مفاصل، عرق النساء فالج لقوہ مین مفید ہے۔ خرابی طحال و جگر و رعشہ کو دور کرتی ہے اعضا تناسلی کو خاص طاقت بخشتی ہے۔ اکسیر اعظم ہے جس کو ہر شخص استعمال کر سکتا ہے۔ قیمت تین روپیہ (ﷲ) کہنہ (ﷴ)

اکسیر نسواں

جریان الرحم، پرسوت، سفید رطوبت کی مخصوص دوا، عورتوں کے لئے اکسیر ہے۔ قیمت بیس خوراک ایکروپیہ آٹھ آنہ (عہ)

دواء الاکسیر

جریان کا حکمی علاج۔ قلیل المقدار کثیر المنافع بلا ضرر۔ بند کشادہ ہے جو سرعت و رقت پیدا ہو جاتی ہے اس کا بے نظیر علاج ہے۔ معدہ و جگر کی اصلاح کرتی ہے۔ قیمت اکیس خوراک ایکروپیہ چھ آنہ (عہ)

پیغام شفا

عجیب الاثر دوا ہے۔ ہر گھر میں رہنا ضروری ہے۔ تمام قسم کے دردون مین اکسیر ہے۔ موچ، چوٹ میں فوراً فائدہ کرتی ہے زہریلے جانورون کے کاٹنے کا بے مثل علاج ہے۔ تخمہ ہیضہ، اسہال پرانی پیچش پرانا بخار سب کو کھوتی ہے۔ امرت ہے اکسیر ہے پیغام شفا ہے۔ قیمت فی شیشی (عہ)

ملسانی

سوزاک پرانا ہو یا نیا فوراً آرام بخشتی ہے مثانہ کی اکثر خرابیون کا تیر بہدف علاج ہے۔ ۲۴ گھنٹے میں نفع شروع ہو جاتا ہے۔

قیمت فی پیکٹ دو روپیہ (ﷲ)

تندرستی کا بیمہ

اگر آپ کو اپنی صحت پیاری ہے، اپنے بچون اور عیال کی عزیز ہے۔ اگر آپ اپنے بچون کو تنومند دیکھنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کو فن طب سے ہمدردی ہے تو فوراً رسالہ "رہنمائے صحت" کی خریداری منظور فرمائیے۔ نمونہ مفت منگا کر ملاحظہ کیجئے طب و حفظان صحت پر اس سے بہتر کوئی رسالہ آج تک نہیں نکلا۔

منیجر مشہور عالم دواخانہ معدن الادویہ وکٹوریہ اسٹریٹ "لکھنؤ"

باہتمام شیخ ممتاز حسین صاحب جوہری سرفراز قومی پریس میں طبع ہو کر خواجہ اسد اللہ صاحب اسد پبلشر نے دفتر اسد وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ سے شائع کیا